آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

فضائل وشمائل

امام بغویؒ کی شہرہ آفاق کتاب "شرح السنۃ" سے ماخوذ آنحضرت ﷺ
کے فضائل وشمائل کا حسین مجموعہ

اُردو ترجمہ
فَضَائل النبی ﷺ وشمَائله

مؤلف
حُسین بن مسعود البغویؒ

مترجم
لجنۃ المصنفین لاہور
مولانا خالد محمود صاحب
مولانا محمد انس چترالی صاحب

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۳۵۲۴۸۳ے

کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وشمائل

اردو ترجمہ **فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شمائلہ**

مؤلف **حسین بن سعود البغوی**

مترجم **لجنۃ المصنفین**

باہتمام محمد ناظم اشرف

ناشر بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور

فون:۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر۱

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر۱

بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴

مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴

مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

﴿فہرست﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللّٰہ رب العالمین، والصلاۃوالسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، وبنی آدم اجمعین، نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین، وعلی ازواجہ وذریتہ وآل بیتہ، ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین، وسلم تسلیماً کثیراً یارب العالمین.

وبعد:

امام ومفسر، محدثِ جلیل، فقیہِ ماہر محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”شرح السنۃ“ حدیث مبارک کی ان عظیم کتابوں میں سے ایک ہے جو عمدہ ترتیب وتنقیح اور توثیق کے اعتبار سے ہمارے سلفِ صالحین کا بہترین علمی سرمایہ ہے جو اپنے موضوعات کو محیط ہونے کے ساتھ حدیث اور راویانِ حدیث کے متعلق وسیع معلومات پر بھی حاوی ہے، علاوہ ازیں اس کتاب میں روایات کے ساتھ ان کی درایت اور علل بھی مذکور ہیں، نیز صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے مذاہب کی تحقیق بھی پوری دیانت وامانت کے ساتھ کی گئی ہے۔

آپؒ نے اپنی یہ کتاب فقہی کتب کی ترتیب پر مرتب فرمائی ہے، چنانچہ آپؒ نے ہر موضوع سے متعلق احادیث کو ایک ہی جگہ میں جمع کر دیا اور اس بارے انتہائی احتیاط اور باریکی سے کام لیا ہے۔ آپؒ عموماً ہر کتاب کا بلکہ بعض اوقات ابواب کا آغاز بھی موضوع سے مناسب قرآنی آیات سے کرتے ہیں، مزید برآں صحابہؓ وتابعینؒ سے منقول آیات کی تفسیر وتوضیح کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ پھر باب سے متعلق احادیث کو سند متصل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، آپؒ نے عموماً اس بات کا التزام کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ تک حدیث کی مکمل سند ذکر کر دی جائے، بعد ازاں اس حدیث کا حوالہ بھی

ذکر کرتے ہیں، اگر وہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں یا ان میں سے ایک میں ہو تو کہتے ہیں "**متفق علیه**" یا کہتے ہیں: **اخرجه البخاری**، یا کہتے ہیں: **اخرجه مسلم**۔ اس سے آپؒ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کی اصل اور اس کے بعض الفاظ یا اس کے معنی کی تخریج کی ہے، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حدیث کے تمام الفاظ نقل کیے ہیں۔

اور بعض اوقات آپؒ صحیحین میں سے کسی ایک سے حدیث کی سند ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: "**هذا حديث صحيح**" یا کہتے ہیں: "**متفق على صحته**"۔ اگر وہ حدیث مبارک صحیحین میں نہ ہو تو اس صورت میں آپؒ حدیث کی تصحیح وتضعیف میں زیادہ تر امام ترمذیؒ کے قول کی پیروی کرتے ہیں اور حدیث کی تعلیل کے لیے ان کے کلام کو نقل کر دیتے ہیں، اور راویوں کے متعلق جو جرح وقدح کی گئی ہوتی ہے اس کو بیان کرتے ہیں، اور کبھی آپؒ امام ترمذیؒ کے کلام کو ان کی طرف اشارہ کیے بغیر ذکر کر دیا کرتے ہیں، اور ایسا عموماً آپؒ اس وقت کرتے ہیں جب تنقیح وتہذیب کے بعد روایت بالمعنی نقل کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات آپؒ کسی حدیث پر تصحیح یا تضعیف کا خود ہی حکم لگاتے ہیں، نیز بسا اوقات آپؒ کچھ ضعیف احادیث مبارکہ کو ان کا حال ذکر کیے بغیر بیان کر دیتے ہیں لیکن ان احادیث کے شواہد یا مؤکدات ذکر کر دیتے ہیں یا پھر کسی صحیح حدیث کا اجمالی معنی بیان کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں، یا ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ اس باب میں ان کو صحیح احادیث دستیاب نہیں ہوئیں۔

اس کے بعد **احادیث الباب** سے جو فقہی مسائل، حدیث کے علوم، رواۃ کے اسماء وانساب وتراجم اور بظاہر متعارض احادیث کے مابین تطبیق مستفاد ہوتی ہے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کبھی حدیث سے استنباط کرتے ہوئے بھی ایسے فقہی مسائل لے آتے ہیں جو اس حدیث میں نہیں ہوتے۔

• مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ کی خواہش یہ تھی کہ مسانید، معاجم، اجزاء اور صحاح میں بکھری ہوئی قابل استدلال احادیث کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے تاکہ ان کی یہ کتاب ایک مسلمان کے لیے اس کے تمام دینی ودنیوی امور میں کامل مرجع ومصدر بن جائے۔

اس کتاب میں ہمارا کام:

ہماری یہ خواہش ہوئی کہ ہم امام بغوی رحمہ اللہ کی کتاب سے استفادہ عوام و خواص سب کے لیے آسان اور سہل بنا دیں، اس سلسلہ میں ہم نے چند امور کا اہتمام کیا ہے جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

(۱) قارئین کرام کے اختصار کے پیش نظر احادیث کی اسانید کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(۲) صرف قابل استدلال احادیث کو ذکر کیا گیا ہے خواہ وہ احادیث سند کے اعتبار سے صحیح درجہ کی ہوں یا حسن درجہ کی ہوں یا ان کی اسناد میں کچھ ضعف ہو البتہ دیگر اسانید یا احادیث سے ان کی تائید ہوتی ہو جس کو اصول حدیث کی اصطلاح میں شواہد اور متابعات کہتے ہیں۔

(۳) مؤلفؒ وغیرہ کی ذکر کردہ ان احادیث ضعیفہ کو حذف کر دیا گیا ہے جن کا کوئی شاہد نہیں مل سکا۔ لیکن بعض اوقات ہم ایسی احادیث ضعیفہ کو ذکر کر دیتے ہیں اس لیے کہ مؤلفؒ ان کو اس لیے ذکر کرتے ہیں تاکہ مؤلفؒ ان احادیث کے ضعف کو بیان کریں اور ان سے استدلال پر جو قول مرتب ہے اس کے ضعف کو واضح کریں۔ اور ہم نے ایسی احادیث مبارکہ کو ان کے ضعف کی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۴) بسا اوقات ہم نے بعض مواقع پر ایسی ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن کی مؤلف رحمہ اللہ نے نشاندہی نہیں فرمائی۔ چنانچہ ہم نے اس کی وضاحت کے لیے اسکوائر بریکٹ اختیار کی ہے۔

علاوہ ازیں اس مقدمہ میں مؤلف رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی بھی ذکر کیے گئے ہیں جو زهير الشاويش کی تحقیق سے مستفاد ہیں، نیز ایسی ضعیف اسانید کی معرفت کے لیے جن کے شواہد اور متابع موجود ہوں، شعیب الارناء وط کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے، اور یہ تحقیقات المكتب الاسلامي نے طبع کی ہیں۔

(۵) مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کی جو شرح، تعلیق یا الفاظِ حدیث کے معانی کے سلسلہ میں صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ کے اقوال بیان کیے ہیں ان کو بھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

(٦) مؤلف رحمہ اللہ نے کتاب الفضائل میں جو کچھ ذکر کیا ہے ہم نے اسی پر اکتفاء کیا ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے فضائل وشمائل اور خُلقی اور خَلقی صفات کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کے کچھ معجزات کا بھی ذکر ہے، جیسے آپ ﷺ کی صداقت کی علامات، علاوہ ازیں اس میں آپ ﷺ کی اسراء و معراج، ہجرتِ مدینہ، مشرکین سے نجات اور اسلامی و توحیدی مملکت کے قیام کا بھی کچھ ذکر موجود ہے۔

الحمدللّٰه اولاً و آخرًا،
وصلی اللّٰه وسلم وبارک علی نبینا
محمد و آله وصحبه وسلم

﴿مؤلفؒ کے حالاتِ زندگی﴾

آپؒ کا نام و لقب امام، حافظ، شیخ الاسلام، محی السنۃ، ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی ہے، آپؒ ان علماء میں سے ایک ہیں جنہوں نے کتابِ عزیز اور سنت نبوی ﷺ کی درساً و تالیفاً خدمت سرانجام دیں، اور کتاب وسنت کے مٹے ہوئے نشانات کو زندہ کیا اور ان کے دفینوں اور خزینوں کو اُجاگر کیا۔

آپؒ کی ولادت ''بغشور'' میں ہوئی، اسی نسبت سے آپ خلافِ قیاس ''بغوی'' کہلاتے ہیں، جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ شہر کا نام ''بغ'' ہے جو کہ حضرات اور مروالروذ کے درمیان ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو خراسان کا ایک علاقہ ہے، اس علاقہ سے بہت سے محدثین کرام اور فقہاء عظام پیدا ہوئے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) ابوالاحوص محمد بن حیال البغویؒ، (۲) ابو جعفر احمد بن منیع البغدادیؒ، (۳) ابو جعفر محمد بن حیویہ بن سلمویہ بن نضر بن مرداس البغویؒ، (۴) فقیہ ابو یعقوب یوسف بن یعقوب بن ابراہیم البغویؒ، (۵) ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغویؒ، (۶) قاضی ابوسعید محمد بن علی بن ابی صالح البغویؒ، (۷) اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بغویؒ، (۸) حافظ ابوالحسن علی بن عبدالعزیز البغویؒ۔

جن کتابوں میں آپؒ کے حالاتِ زندگی مرقوم ہیں ان میں آپؒ کے سنِ ولادت کی طرف اشارہ نہیں ملتا اور نہ ہی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وفات کے وقت آپؒ کی کتنی عمر تھی، البتہ تمام مؤرخین نے آپؒ کا سن وفات (۵۱۶ھ) لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپؒ نے اسی سال یا اس سے متجاوز عمر پائی ہے۔ اس سے غالب گمان یہی ہے کہ آپؒ کی پیدائش پانچویں صدی ہجری کی چوتھی دہائی کے اوائل میں ہوئی ہے، آپؒ شافعی المذہب کے طور پر پروان چڑھے اس لیے کہ جس ماحول میں آپ نے زندگی بسر کی اور جن علماء سے علم حاصل کیا وہ شافعی المسلک تھے، مذہب شافعیؒ میں آپؒ کو یدطولیٰ حاصل تھا، آپؒ

نے شافعی مذہب میں ایک کتاب "التهذيب" لکھی جس میں آپؒ نے اہل ترجیح اور اہل اختیار وتصحیح کا اسلوب اختیار کیا، تاہم آپؒ نہ تو اپنے امامؒ کے حق میں متعصب تھے اور نہ کسی دوسرے امامؒ کو مطعون کرتے تھے بلکہ آپؒ تمام مذاہب اور تمام ائمہؒ کرام کے اقوال وآراء میں غور فرماتے اور ان کے دلائل سے واقفیت حاصل کرتے، اور ہر مسئلہ میں عموماً اس دلیل کو اختیار کرتے جو اپنے مقصد میں کامل ہوتی اور قرآن وسنت کے زیادہ مطابق ہوتی۔ علاوہ ازیں جب آپؒ کو کامل معرفت حاصل ہوگئی تو آپؒ نے لوگوں کو کتاب و سنت کی دعوت دینا شروع کر دی جو کہ دین کی اصل بنیاد اور تمام مسائل شرعیہ میں اصل مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اور کتاب وسنت کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت کے لیے تالیفی کام انجام دینا بھی شروع کر دیئے، آپؒ نے اپنی نافع اور دلچسپ تالیفات کے ذریعہ کتاب وسنت کے امتیازی نشانات کو زندہ کیا حتیٰ کہ آپؒ اپنے ہمعصر علماء کی طرف سے "محیی السنة" کے لقب کے مستحق قرار پائے۔

آپؒ کو علم سے اتنی محبت اور سنتِ نبوی ﷺ سے اس قدر شغف حاصل تھا کہ آپؒ نے وقت کے امام حسین بن محمد المروزی القاضیؒ سے اکتسابِ علم کے لیے مروالروذ کا (طویل) سفر کیا اور ان کے شاگرد بنے، اور ان سے فقہ حاصل کی، ان سے روایت حدیث کی اور ان کے چشمۂ علم سے سیرابی حاصل کی، چنانچہ آپؒ ان کے اخص تلامذہ میں سے ہوئے بلکہ آپؒ ان کے سب سے افضل اور سب سے ذہین شاگرد ہوئے۔ آپؒ نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آپؒ خراسان کے شہروں میں گھومے اور وہاں کے بہت سے علماء سے سماع حاصل کیا، اور ان سے صحاح، سنن، مسانید اور اجزاء کو اجود اور اوثق طریقہ سے نقل کیا، اور ائمہ کے مشہور مذاہب کی تدریس کی اور ان کو جمع کیا، خصوصاً امام شافعیؒ کے مذہب کی تدریس فرمائی۔ آپؒ لغت کے علماء کے پاس بھی بیٹھے اور ان سے وہ کتابیں پڑھیں جو حدیث کے غریب (نادر) الفاظ اور ان کے معانی کی تفسیر کے سلسلہ میں تالیف کی گئی ہیں۔ بعد ازاں آپؒ نے اپنے وطن ثانی "مروالروذ" میں سکونت اختیار کر لی، آپؒ نے تفسیر، حدیث اور فقہ میں قیمتی کتابیں لکھیں اور اپنے علم

وافر، روشن افکار اور قیمتی تعلیمات سے طلباء کو مستفید کیا، بالآخر ماہِ شوال ۵۱٦ھ کو آپؒ کا وقتِ اخیر آ گیا، اور اپنے استاذ و شیخ قاضی حسینؒ کے پہلو میں تقریباً اسی سال کی عمر پا کر طالقانی کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔

شیوخ واساتذہ:

آپؒ نے اپنے وقت کے علماء کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا اور محدثین کرام کی ایک کثیر جماعت سے روایات نقل کی ہیں،

ہم ان میں سے بعض شیوخ واساتذہ کرام کا تذکرہ کرتے ہیں:

(۱) امام کبیر ابو علی حسین بن محمد بن احمد المروزیؒ، خراسان کے فقیہ، اور اپنے زمانہ میں شافعیہ کے شیخ، اور یکے از اصحابِ ترجیح، آپ کی وفات ۴٦۲ھ ہے۔

(۲) مروالروز کے مسند، ابو عمر عبدالواحد بن احمد بن ابی القاسم الملیحی الہرویؒ آپ کی وفات ۴٦۳ھ ہے،

(۳) فقیہ فاضل ابوالحسن علی بن یوسف الجوینی المعروف بہ شیخؒ، آپ کی وفات بھی ۴٦۳ھ کو ہوئی۔

(۴) مسندِ، ابو بکر یعقوب بن احمد الصیر فی النیساپوریؒ، آپ کی وفات ۴٦٦ھ کو ہوئی۔

(۵) رئیس کبیر ابو علی حسان بن سعید المنیعیؒ، آپ کی وفات ۴٦۳ھ کو ہوئی۔

(٦) ابو بکر محمد بن عبدالصمد الترابی المروزیؒ، آپ کی وفات بھی ۴٦۳ھ کو ہوئی۔

(۷) شیخ خراسان، وقت کے زاہد و عالم، ابوالقاسم عبدالکریم بن عبدالملک ابن طلحہ النیساپوری القشیریؒ، آپ کی وفات ۴٦۵ھ کو ہوئی۔

(۸) ابو صالح احمد بن عبدالملک بن علی بن احمد النیساپوریؒ، آپؒ حافظ، ثقہ اور اپنے وقت کے محدثِ خراسان تھے، وفات ۴۷۰ھ ہے۔

(۹) مفتی نیساپور ابو تراب عبدالباقی بن یوسف بن علی بن صالح بن عبدالملک

المراغیؒ آپؒ شافعی مسلک کے بڑے فقیہ تھے، سن وفات ۴۹۲ھ ہے۔

(۱۰) امام وفاضل وفقیہ عمر بن عبدالعزیز الفاشانیؒ، آپؒ کو "سنن ابی داؤد" کا سماع قاضی ابوعمرو قاسم بن جعفر الہاشمیؒ سے حاصل ہے جو ابوعلی اللؤلؤی سے روایت کرتے ہیں، نیز آپؒ نے مرو میں اس کتاب کو بیان کیا اور آپ سے لوگوں نے سماع حاصل کیا۔

(۱۱) ابوالحسن محمد بن محمد الشیرزیؒ، شیرز، سرخس میں ایک گاؤں ہے اس کی طرف نسبت ہے۔

(۱۲) ابوسعد احمد بن محمد بن عباس الخطیب الحمیدیؒ۔

(۱۳) ابومحمد عبداللہ بن عبدالصمد بن احمد بن موسیٰ الجوزجانیؒ، یہ بلخ کے ساتھ خراسان کا ایک شہر ہے جس کی طرف نسبت ہے۔

(۱۴) ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد المعلم الطوسیؒ۔

(۱۵) ابوطاہر محمد بن علی بن محمد بن علی بن بویہ الزرّادؒ۔

(۱۶) ابوبکر احمد بن ابی نصر الکوفانیؒ۔ ہرات کے شیخ الزاہدین۔

(۱۷) ابومنصور محمد بن عبدالملک المظفری السرخسیؒ۔

(۱۸) ابوعبداللہ محمد بن فضل بن جعفر الخرقی (خاء اور راء کے فتح کے ساتھ) یہ مرو کے ایک گاؤں "خرق" کی طرف نسبت ہے۔

(۱۹) ابوالحسن علی بن حسین بن حسن القرینینیؒ، یہ مروشاہجان اور مروالروذ کے درمیان ایک علاقہ کی طرف نسبت ہے۔

(۲۰) ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد ابن مظفر الداودی البوشنجیؒ، آپؒ علم وفضل اور جلالت وسند کے اعتبار سے خراسان کے شیخ تھے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے شیوخ ہیں جن سے آپؒ "شرح السنة" میں احادیث روایت کرتے ہیں۔

شاگرد:

خراسان کے تمام شہر آپؒ کے علم وفضل سے مستفیض ہوئے، ایک کثیر تعداد میں طالبانِ علم نے آپؒ سے استفادہ اور استفاضہ کیا: چند کے نام یہ ہیں:

(۱) شیخ، علامہ مجد الدین ابو منصور محمد بن اسعد بن محمد حفدۃ العطاری الشافعی الاصولی الواعظؒ (وفات ۵۷۱ھ) یہ وہی، ہیں جو مؤلف رحمہ اللہ سے "شرح السنة" کی روایت کرتے ہیں، پھر بہت سے اہل علم وفضل نے ان سے علم حاصل کیا ہے۔

(۲) ابو الفتوح محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی المحدث الواعظؒ (وفات ۵۵۵ھ) ان کی تالیفات میں سے "الاربعین فی ارشاد السالکین الی منازل المتقین" ہے، جس کو انہوں نے اپنے چالیس شیوخ کے مسموعات سے جمع کیا ہے۔

(۳) ابو المکارم فضل اللہ بن محمد النوقانیؒ، یہ طوس کے ایک قصبہ نوقان کی طرف نسبت ہے، یہ آخری شخص ہیں جو مؤلفؒ سے اجازۃً روایت کرتے ہیں اور ۶۰۰ھ تک زندہ رہے، اور فخر علی بن البخاری جو امام ذہبیؒ کے شیخ تھے، کو اجازت دی، اور ان سے مرو کے کثیر علماء نے علم حاصل کیا، اور بھی بہت سے علماء نے علم حاصل کیا ہے جن کے حالات ہمیں کتب رجال میں دستیاب نہ ہو سکے۔

آپؒ کی صفات:

امام بغوی رحمہ اللہ بہت سی صفات اور امتیازات کے مالک تھے، یہی وجہ ہے کہ آپؒ امام "محیی السنۃ" اور "شیخ الاسلام" جیسے القابات سے نوازے گئے، تمام مؤرخین نے اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، چنانچہ آپؒ کتاب اللہ کے حافظ، قرأت کے ماہر، تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صحابہؓ وتابعینؒ سے منقول اقوال کے عالم، مذہب امام شافعیؒ کی کامل بصیرت رکھنے والے اور اختلافِ مذاہب سے مکمل طور پر واقف تھے، آپؒ حدیث کے ائمہ اور حفاظ میں سے ہیں، نیز آپؒ کو حدیث کے ستون، اس کی اسانید اور احوال رجال کی وسیع معرفت حاصل تھی، آپؒ زبردست قوتِ حافظہ کے بھی

مالک تھے، آپؒ کو بحث وتمحیص سے گہری وابستگی تھی، آپؒ انتہائی دقتِ نظر سے روایات کو نقل کرتے، نیز آپؒ وسیع النظر تھے کہ ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل کو پوری امانت و دیانت اور باریک بینی سے بیان کرتے اور اس سلسلہ میں کسی خاص مذہب کے حق میں متعصب نہیں تھے اور نہ کسی دوسرے کے مذہب پر طعن کرتے، آپؒ کتاب وسنت کے معارف اور ان کی صحیح ومستند تعلیمات کو عام کرنے اور صحابہؓ وتابعینؒ، ائمہ اربعہؒ اور سلف صالحینؒ کے اختیار کردہ طریق کی طرف رجوع کرنے کے خواہش مند تھے، اور تمام اعتقادات وصفات میں مذہب سلف پر اعتماد کرتے، آپؒ کی پرہیزگاری مشہور ہے، دنیا اور اس کا مال ومتاع آپ کی نظر میں ہیچ تھا، آپ باوضو ہو کر ہی درس دیتے، اور جو کپڑے آسانی سے مل جاتے اس کو پہن لیتے، قلیل سامان پر راضی وقانع رہتے، دنیا کی کوئی طلب انہیں علم دین سے غافل نہ کرتی، آپؒ پسندیدہ اخلاق کے حامل تھے، آپؒ پاک باطن ہونے کے ساتھ حسن نیت، شیریں صفات اور وسیع الظرفی جیسی صفات کے مالک تھے،

ان تمام باتوں کے آثار آپؒ کی متنوع تالیفات کی صورت میں ظاہر ہو چکے ہیں جن کو امت کے علماء نے سراہا بھی ہے اور خلعت قبولیت سے نواز بھی ہے۔

مؤلفؒ، علماء کی نظر میں:

آپؒ کی سوانح حیات پر لکھی گئیں تمام کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کو سنت اور اس کے علوم میں کامل دسترس حاصل تھی اور آپؒ جلیل الشان شخصیت کے حامل تھے اور آپؒ کو تفسیر، حدیث اور فقہ میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: آپؒ امام، علامہ، قدوۃ، حافظ، شیخ الاسلام، محی السنۃ ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنفؒ ہیں۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں: امام بغویؒ محیی السنۃ اور رکن الدین کے لقب سے ملقب ہیں، حالانکہ آپؒ بغداد تشریف نہیں لے گئے، اگر آپؒ بغداد تشریف لے جاتے تو آپؒ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں معلومات وسیع ہوتیں، آپؒ دین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے

تھے۔ نیز آپؒ تفسیر، حدیث اور فقہ میں نقل وتحقیق کے اعتبار سے وسیع المعلومات تھے، شیخ امامؒ (ان کے والد تقی الدین مراد ہیں) آپؒ کی بہت عظمت کیا کرتے تھے، اور آپؒ کا بہت سے مقامات میں تحقیق کے ساتھ وصف بیان کرتے تھے، ''تکملہ شرح المهذب'' کے باب الرهن میں فرمایا: یاد رکھیے: صاحب تہذیب (مراد امام بغویؒ ہیں) کو جب بھی ہم نے کسی مسئلہ میں بحث کرتے دیکھا تو دوسروں سے زیادہ قوی پایا، آپؒ مختصر اور جامع کلام فرماتے تھے، اس لحاظ سے آپ اس لائق ہیں کہ آپ کو علومِ قرآن وسنت وفقہ کا جامع کہا جائے۔

ابن العماد الحنبلیؒ فرماتے ہیں: آپؒ محدث، مفسر، صاحب تصانیف اور اہل خراسان کے عالم ہیں۔ ابن خلکانؒ فرماتے ہیں: آپ بحر العلوم تھے، آپؒ نے کلام اللہ کی تفسیر میں کتاب لکھی اور مشکلات کی توضیح (حل) اقوالِ نبی ﷺ سے فرمائی، اور حدیث کی روایت بھی فرمائی اور تدریس بھی کی، آپ باوضو ہو کر ہی درس دیتے تھے، آپؒ کی بیوی کا انتقال ہوا تو آپؒ نے اس کی میراث سے کچھ بھی نہیں لیا، آپؒ پہلے روکھی روٹی کھاتے تھے پھر جب اس پر معتوب ہوئے تو پھر زیتون کے ساتھ روٹی کھانے لگے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: آپ ماہر علوم اور اپنے وقت کے علامہ تھے، نیز آپؒ دیانت دار، زاہد و عابد، پرہیز گار اور صالح تھے۔

حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں: آپؒ تفسیر میں امام، حدیث میں امام اور فقہ میں امام تھے۔

امام ابن تغری بردیؒ فرماتے ہیں: آپ امام، علامہ، فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔

امام یافعیؒ فرماتے ہیں: آپؒ محدث، مقرئ، صاحب تصانیف اور اہل خراسان کے عالم تھے، نیز آپؒ سید، زاہد اور قناعت پسند تھے،

ابوبکر بن ہدایہؒ فرماتے ہیں: آپؒ تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام تھے، آپ انتہائی پرہیز گار، دیانت دار اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنے والے تھے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: آپؒ فقہ وحدیث میں امام تھے، انتہائی متقی و پرہیز گار،

ثبت، حجت اور صحیح العقیدہ تھے۔

ابن نقطہؒ فرماتے ہیں: آپؒ امام، حافظ، ثقہ اور صالح تھے۔

ابن قاضی شھبہؒ فرماتے ہیں: آپؒ تفسیر میں امام، حدیث میں امام اور فقہ میں امام تھے۔

تالیفات:

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر، حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جن کتابوں کا ہمیں پتہ چل سکا ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) **مجموعة الفتاوی**: اس میں آپؒ نے اپنے شیخ کے فتاوی کو جمع کیا ہے، یہ کتاب ان فقہی مسائل پر مشتمل ہے جو ان کے شیخ امام ابوعلی حسین بن محمد المروزیؒ سے پوچھے گئے تھے اور انہوں نے ان کے جوابات دیئے، مؤلف رحمہ اللہ نے ان کو تلاش کر کے المزنیؒ کی مختصر کی ترتیب پر جمع کر دیا، دار الکتب الظاھریة دمشق میں اس کا ایک نسخہ رقم ''۳۷۵'' کے تحت (فقہ شافعی) موجود ہے جو ۹۱۳ھ کو لکھا گیا۔

(۲) **التھذیب فی فقه الامام الشافعی**: یہ بھی آپؒ کی مہذب اور تحریر کردہ تالیف ہے، جو عموماً ادلہ سے خالی ہے، آپؒ نے یہ اپنے شیخ قاضی حسینؒ کی تعلیق کی تلخیص کی ہے، اور کچھ کمی وزیادتی بھی کی ہے، شافعیہ کے ہاں یہ کتاب بہت مشہور ہے، اہل شوافع اس سے استفادہ بھی کرتے ہیں، اس کو آگے بھی بیان کرتے ہیں اور بہت سے مسائل میں اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ ''الروضة'' (جو چار بڑی جلدوں میں ہے) میں اسی کتاب سے زیادہ تر روایات نقل کرتے ہیں جس کی چوتھی جلد الظاھریہ میں رقم (۲۹۲) فقہ شافعی کے تحت موجود ہے، اس کی تاریخ کتابت ۵۹۹ھ بنتی ہے۔

(۳) **معالم التنزیل**: یہ آپؒ کی متوسط تفسیر ہے جو آیات قرآنی کی تفسیر کے

سلسلہ میں علمائے اسلاف کے اقوال کو جامع اور ان احادیث نبویہ سے مزین ہے جو آیت کے موافق یا بیانِ حکم کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ مؤلفؒ نے اس تفسیر میں ہر اس چیز کو ذکر کرنے سے اجتناب کیا ہے جس کا تفسیر قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے دریافت کیا گیا تھا کہ کون سی تفسیر کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہے؟ آیا زمخشریؒ کی یا قرطبیؒ کی یا امام بغویؒ کی یا ان کے علاوہ کسی اور مفسر کی؟ فرمایا: جن تین تفسیروں کے بارے میں پوچھا گیا ہے ان میں بدعت اور ضعیف احادیث سے سب سے زیادہ محفوظ بغویؒ کی تفسیر ہے۔ (فتاویٰ ۲/۱۹۳) اور یہ کتاب کئی مرتبہ طبع ہوئی ہے، مگر تمام طبعات، تحریف تصحیف (تبدیلی و غلطی) سے خالی نہیں ہیں اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو اہتمام کے ساتھ اچھے انداز میں طبع کیا جائے۔

(۴) **مصابیح السنة**: مؤلفؒ نے اس کتاب میں احادیث کا وہ حصہ ذکر کیا ہے جن کو دیگر ائمہ کرام نے اپنی کتب میں محذوف السند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور آپؒ نے ان احادیث کو صحاح اور حسان میں منقسم کیا ہے، صحاح سے آپؒ کی مراد وہ احادیث مبارکہ ہیں جن کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے یا ان میں سے ایک نے نقل کیا ہے اور حسان سے مراد وہ احادیث ہیں جن کو اصحاب سنن نے نقل کیا ہے۔ یہ کتاب بھی کئی بار طبع ہوئی، یہ کتاب بہت مشہور ہے اور علماء کے ہاں متداول ہے اور علماء نے اس کا قرأت (پڑھنے)، تعلیق اور شرح کی صورت میں بڑا اہتمام کیا ہے۔

خطیب التبریزیؒ نے اسی کتاب پر اعتماد کرتے ہوئے اس میں اضافہ کیا اور اپنی کتاب "**مشکوٰۃ المصابیح**" میں اس کی تہذیب کی ہے، یہ کتاب بھی ترکستان اور ہند کے شہروں میں کئی مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، اور اس کی سب سے عمدہ اور آخری طباعت استاذ ناصر الدین الالبانی کی تحقیق کے ساتھ **المکتب الاسلامی** نے شائع کی ہے۔

(۵) **شرح السنة**: اس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے۔

(۶) **الانوار فی شمائل المختار**: صاحب "کشف الظنون" نے اس کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ بھی بہت سے مؤرخین نے ان کے حالات سپرد قلم کیے ہیں، الکتانیؒ نے بھی "الرسالة المستطرفة" ص ۸۸ پر اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا: مصنفؒ نے اس کو محدثین کرام کے طریق پر ایک سو ایک ابواب پر مرتب کیا ہے۔

(۷) **الجامع بین الصحیحین**: صاحب "کشف الظنون" نے بھی اور دیگر بعض سوانح نگاروں نے بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر ہم اس سے واقف نہ ہو سکے۔

(۸) **الاربعین حدیثاً**: ابن قاضی شهبہؒ نے امام ذہبیؒ کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیّد الاوّلین والآخرین
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ونسب:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معدّ بن عدنان۔

عدنان سے اوپر کا نسب محفوظ نہیں ہے۔قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں جو کہ مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، پھر قصی بن کلاب نے ان کو مکہ میں جمع کیا اس لیے ان کا نام ''قریش'' ہوا، کیونکہ ''قرش'' کا معنی ہوتا ہے جمع کرنا، انہوں نے سب کو جمع کیا تھا اس لیے وہ قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔ کنانہ کی نضر کے علاوہ بھی اولاد تھی مگر ان کو قریش کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا ہے، اس لیے کہ ان کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا﴾ (الاحزاب: ۴۵)

''اے پیغمبر! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاتم النبیین ہیں''

یعنی آپ ﷺ سب نبیوں کے آخر میں آئے، اگر اس کو ''خاتِم'' تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے اور ''خاتَم'' نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ نیز اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

یعنی ''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے''

☆ حضرت واثلۃ بن الاسقعؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو بنو اسماعیل سے چنا اور بنو کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور مجھے بنو ہاشم سے چنا۔'' (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یکے بعد دیگرے ہر قرن کے بنی آدم کے بہترین طبقوں میں منتقل کیا جاتا رہا یہاں تک کہ میں اس موجودہ قرن میں پیدا کیا گیا۔'' (هذا حديث صحيح)

حدیث میں مذکور لفظ ''القرن'' سے مراد ہر وہ طبقہ ہے جو ایک زمانہ میں باہم متصل ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو ''قــرن'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک امت کو دوسری امت کے ساتھ اور ایک عالم کو دوسرے عالم کے ساتھ ملاتا ہے، اور ''قــرن'' مصدر ہے قرنت کا، پھر اس کو زمانہ یا اہل زمانہ کا اسم بنا دیا گیا، اور بعض کہتے ہیں کہ ''قرن'' اسی سال کے عرصہ کو کہتے ہیں اور بعض کے قول کے مطابق ''قرن'' چالیس سال اور جبکہ بعض کے قول کے مطابق سو سال کے عرصہ کو کہتے ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''انبیاء میں سے ہر نبی کو ایسی نشانیاں عطا ہوئیں کہ اس کے مثل پر کوئی انسان ایمان نہیں لایا اور بلاشبہ وہ چیز جو مجھے دی گئی وہ ایسی ہے جو وحی اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی ہے پس میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء سے زیادہ ہوگی۔''

(هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو وہ (پانچ چیزیں) نہیں دی گئیں، میری ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے، اور میرے لیے (ساری) زمین سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے، پس میری امت کے کسی آدمی کو (جہاں بھی) نماز (کا وقت) پالے تو اسے نماز پڑھ لینی چاہیے، اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے جبکہ یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا اور مجھے شفاعت (کا حق) عطا کیا گیا ہے اور (مجھ سے قبل) پیغمبر صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ (هذا حديث متفق علی صحته)

حدیث میں مذکور لفظ ''نصرتُ بالرعب'' کا معنی یہ ہے کہ دشمن مجھ سے ڈرتا ہے جبکہ اس کے اور میرے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہوتی ہے اور اس کی وجہ خدا تعالیٰ کی حضور ﷺ کی نصرت فرمانا ہے۔ اور ''جعلت لی الارض مسجداً'' سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب کے لیے صرف ان کے عبادت خانوں ہی میں نماز مباح تھی جبکہ اللہ عزوجل نے تخفیف اور تیسیر کی خاطر اس امت کے لیے ہر جگہ پر نماز کو مباح فرما دیا ہے۔ البتہ قبرستان، حمام اور ناپاک جگہیں اس سے مستثنیٰ ہیں، وہاں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث ہذا میں مذکور لفظ ''وطھوراً'' سے مراد مٹی ہے، جیسا کہ حدیث حذیفہؓ میں اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ ''ہمارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے اور اس کی مٹی کو ہمارے لیے طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔'' نیز حدیث میں مذکور لفظ ''واحلت لی المغانم'' کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ امتوں میں بعضے وہ تھے جن کے لیے جہاد مباح نہیں تھا اس لیے ان کے لیے مال غنیمت بھی نہیں تھا اور بعض وہ تھے جن کے لیے جہاد تو مباح تھا مگر ان کے لیے مال غنیمت مباح نہیں تھا، اس کی صورت یہ ہوتی کہ سارا مال غنیمت ایک جگہ رکھ دیا جاتا، آگ آتی اور اس کو جلا دیتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے اس کو مباح فرمایا ہے۔ اسی طرح اس لفظ ''اعطیت الشفاعة'' سے مراد وہ عظیم فضیلت ہے جس کے اندر قیامت کے دن کوئی دوسرا حضور ﷺ کے ساتھ

شریک نہ ہوگا، اور اسی فضیلت کے باعث حضور ﷺ سب مخلوق کے سردار ہوں گے اس لیے فرمایا: "انا سیّد ولد آدم" اس سے مراد وہ مقامِ محمود ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی: مجھے جامع کلمات دیئے گئے، اور میری رعب سے مدد کی گئی، اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں، اور میرے لیے زمین سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کیا گیا۔'' (ھذا حدیث صحیح اخرجہ مسلم)

اس حدیث مبارک میں ایک لفظ ہے "اوتیت جوامع الکلم" بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف سے تھوڑے الفاظ میں کثیر معانی جمع فرما دیئے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے، بھرپور معانی کی صورت میں کلام کو مختصر کرنا، یعنی کسی کلمہ کے حروف کم ہوں مگر وہ کثیر معانی واحکام وغیرہ کو حاوی ہو۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری رعب سے نصرت کی گئی ہے، اور مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں اور میرے لیے زمین سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے اور دریں اثناء کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں پس وہ میرے ہاتھ میں تھما دی گئیں۔'' (ھذا حدیث صحیح)

حدیث کے آخری جملہ میں یہ بات محتمل ہے کہ اس سے ان خزانوں کی طرف اشارہ ہو جن کے دروازے اس امت اور اس کے لشکروں کے لیے کھول دیئے گئے، جیسے قیصر وکسریٰ کے خزانے، نیز اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد زمین کی معدنیات ہوں، جیسے سونے، چاندی اور دیگر بہت سے کیمیائی عناصر اور دھاتیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے علاقے عنقریب فتح ہوں گے جن علاقوں میں یہ معدنیات اور خزانے ہیں، اور پھر وہ آپ ﷺ کی امت کو ملیں گے، ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: حضور ﷺ تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور تم ان (خزانوں) کو نکال رہے ہو۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثال اس آدمی کی مثال کی طرح ہے جو بہت سے گھر بنائے، ان کو اچھا بنائے، خوبصورت بنائے اور کامل بنائے، مگر ان کے گوشوں میں سے کسی گوشے سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دے، پس لوگ (اس کے) چکر لگانے لگیں اور وہ عمارت ان کو بھلی لگے، مگر وہ کہیں، یہاں ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی، پھر اس کی تعمیر مکمل کر دے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، وہ اینٹ میں ہوں۔'' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں پہلے بھی اور آخر میں بھی عیسیٰ بن مریمؑ سے اولیٰ ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ فرمایا: انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی شریعتیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے اور ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔(ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

حدیث میں مذکور لفظ ''اخوۃ من علات'' کا مطلب وہی ہے جس کا حدیث ہذا میں ذکر کیا گیا کہ ان کی شریعتیں تو الگ الگ ہیں اور اصل دین ایک ہیں۔ حقیقی بھائیوں کو بنوالاعیان کہا جاتا ہے۔ اگر مائیں الگ الگ ہوں تو ان کو بنوالعلات کہتے ہیں اور اگر باپ مختلف ہوں تو ان کو اخیاف کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا اصل دین ایک ہی ہے اگر چہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں۔ جیسا کہ علاتی بھائیوں میں ہوتا ہے کہ ان کا باپ تو ایک ہوتا ہے مگر ان کی مائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں ابن مریمؑ سے اولیٰ ہوں، انبیاء علاتی اولاد ہیں، اور میرے اور ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔'' راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری مثال اور (دیگر) انبیاء کی مثال ایک خوبصورت عمارت والے محل کی طرح ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، پھر دیکھنے والے اس کا چکر لگائیں اور اس عمارت کی خوبصورتی پر تعجب کریں مگر ایک اینٹ کی جگہ، اس کے سوا وہ عیب نہ نکالیں، پس میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند کر دیا ہے، مجھ پر عمارت کا اختتام ہوا اور مجھ پر پیغمبروں کا سلسلہ ختم کیا گیا۔''

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور انبیاء کی مثال اس آدمی کی مثال کی طرح ہے جس نے ایک عمارت بنائی، اس کو اچھا بنایا اور اس کو خوبصورت بنایا، مگر اس کے گوشوں میں سے کسی گوشہ سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، فرماتے ہیں: پھر لوگ اس کا چکر لگائیں اور اس کو دیکھ کر تعجب کریں اور کہیں: یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی، فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں، اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

(ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

☆ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاقِ کریمانہ کی تکمیل اور اچھے افعال کو پورا کرنے کے لیے بھیجا ہے۔'' امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا تا کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔''

☆ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام اچھے اخلاق کے ساتھ اور کامل اچھے افعال کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔''

☆ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سب سے پہلے (قبر مبارک سے) نکلوں گا، اور میں لوگوں کا اس وقت قائد ہوں گا جب وہ آئیں گے، اور میں ان کا اس وقت خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے، اور جب وہ گرفتار ہوں گے تو اس وقت میں ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور میں ان کو بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ کرم سے ناامید ہو جائیں گے، اور اس دن کنجیاں میرے ہاتھوں میں ہوں گی، اور اس دن لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہوگا، اور میں اپنے رب کے سامنے اولادِ آدمؑ میں سب سے زیادہ مکرم ہوں، میرے پاس ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے انڈے یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔''

(ھذا حدیث غریب)[ضعیف]

☆ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے قبر شق ہوگی، اور میں

پہلا شفاعت کرنے والا، اور پہلا مقبول الشفاعت ہوں گا۔'' (هذا حديث صحيح)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کا حبیب ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں، اور میں قیامت کے دن لوائے حمد اٹھائے ہوئے ہوں گا جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور ان کے سوا لوگ ہوں گے، اور اس میں کوئی فخر نہیں ہے، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور قیامت کے دن پہلا مقبول الشفاعت ہوں گا، اور اس میں کوئی فخر نہیں ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اول و آخر تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔''

میں کہتا ہوں: حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انبیاء میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو۔'' اور حضرت ابو ہریرہؓ، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔'' اس ممانعت سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے درجات کے اعتبار سے ان میں برابری کا اعتقاد کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، فرمایا:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرہ: ۲۵۳)

یعنی ''یہ پیغمبر ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس طریقہ پر ترجیح نہ دو کہ بعض کی تحقیر لازم آئے اور ان کے واجبی حقوق میں خلل واقع ہو کیونکہ یہ چیز بعض کے حق میں فسادِ اعتقاد کا سبب ہے اور یہ کفر ہے۔

سوال: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے انبیاء میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو، اور میں نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن متّی سے افضل ہو۔'' اور حضرت ابن عباسؓ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کسی بندہ کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ میں

یونس بن متّی سے بہتر ہوں۔" اب ان احادیث مبارکہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ عالی: "میں اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں۔" کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: ان دو حدیثوں کے درمیان تطبیق واضح ہے، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا: "میں اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں" دراصل اس فضیلت و سیادت کی خبر دینا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نوازا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تحدیث بالنعمت کے طور پر بیان فرمائی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحی: ۱۱)

یعنی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے۔"

نیز اپنی امت اور امت کے اہل دعوت کو رب تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام عالی بتانا مقصود ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری ہے تاکہ امت کے لوگ اس کے مطابق اس پر ایمان لائیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری ہے تاکہ امت کے لوگ اس پر ایمان لائیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا: "ولا فخر" اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ بات محض نعمت خداوندی کو بیان کرنے کی غرض سے کہہ رہا ہوں، کوئی فخر و تکبر مقصود نہیں ہے، یا مطلب یہ ہے کہ میں یہ بات محض حکم کی تبلیغ کے لیے کہہ رہا ہوں، نہ کہ ازراہِ افتخار۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا: "لا ینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس" یعنی کسی بندہ کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس سے بہتر ہوں۔" نیز یہ جو روایت ہے کہ جو یہ کہے کہ میں یونس بن متّی سے بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ کہا ہے" اس کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد نہیں ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بات عام ہے، سب کو شامل ہے لیکن یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ تواضع بیان فرمائی ہے، مطلب یہ ہوا کہ مجھے یہ کہنا مناسب نہیں، کیونکہ جو فضیلت مجھے حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی کرم نوازی اور خصوصی رحمت ہے، مجھے وہ فضیلت اپنی ذات کی طرف سے حاصل نہیں ہے اور نہ اس کو میں نے اپنی قوت و طاقت سے حاصل کیا ہے، تاہم حضرت یونس علیہ السلام کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے قوم کی ایذاء پر ان کی کم صبری کی

وجہ سے حضور ﷺ کو فرمایا:

﴿ولا تکن کصاحب الحوت﴾ (القلم: ۴۸)

یعنی ”آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے۔“

نیز فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

(الاحقاف: ۳۵)

یعنی ”آپ ایسا صبر کیجیے جیسے اولوا العزم پیغمبروں نے صبر کیا۔“

واللہ اعلم

☆ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النبییّن لکھا ہوا ہوں، جب کہ آدم علیہ السلام اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے ہوئے تھے، اور میں تم کو اپنا پہلا امر بتاتا ہوں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری والدہ کا خواب ہے کہ انہوں نے وضع حمل کے وقت مجھے دیکھا کہ اس سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔“

حدیث ہذا میں مذکور لفظ ”لمنجدل“ کا معنی یہ ہے کہ اس وقت آدم علیہ السلام ابھی مٹی کی صورت میں سطح زمین پر پڑے تھے، ابھی تک ان میں روح نہیں ڈالی گئی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ“ (البقرہ: ۱۲۹) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد ان کا یہ قول ہے: ”يٰبَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ.“ (الصف: ۶)

☆ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں: میری حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا آپؓ مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی تورات میں مذکورہ صفات کے بارے میں بتائیں؟ آپؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے، خدا کی قسم! آپ ﷺ کی

تورات میں بعض صفات تو وہ ہیں جن کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور امّیوں کے لیے ذریعہ حفاظت بنا کر بھیجا ہے، آپ ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ﷺ ہیں، مَیں نے آپ ﷺ کا نام المتوکل رکھا ہے، آپ نہ سخت مزاج ہیں اور نہ بدخلق ہیں اور نہ بازاروں میں شوروشغب کرنے والے ہیں، اور نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں البتہ آپ ﷺ درگزر اور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک وفات نہیں دیں گے جب تک کہ ان کے ذریعہ ایک کج روامت کو اس پر قائم نہیں کر دیں گے کہ وہ ”لا الٰہ اِلّا اللّٰہ“ کہے اور ان کے ذریعہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غلاف چڑھے دلوں کو کھول دے۔“ حدیث میں مذکور لفظ ”لیس بِفظٍّ“ کا معنی ہے، سخت مزاج اور بدخلق۔ جیسا کہ اسی لفظ کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے: ”وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ“ (آل عمران: ۱۵۹)

☆ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں: میں تورات میں یوں لکھا ہوا پاتا ہوں: محمد، اللہ کے رسول ہیں، نہ وہ سخت طبیعت ہیں اور نہ بدخلق ہیں اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں، اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں، ہاں البتہ آپ ﷺ معاف اور درگزر کرتے ہیں، آپ ﷺ کی امت خوب تعریف کرنے والی ہے، ہر مقام میں خدا تعالیٰ کی حمد کرتی ہے اور ہر بلند جگہ پر اللہ کی بڑائی بیان کرتی ہے، نصف پنڈلی تک تہبند باندھتی ہے، اور اپنے اعضاء کو صاف کرتی ہے، ان کی نماز میں صف بندی اور جہاد میں صف بندی برابر ہوتی ہے، ان کا منادی آسمان کی فضاء میں اعلان کرتا ہے، رات کے آخری حصہ میں ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے شہد کی مکھی کے بھنبھنانے کی آواز ہوتی ہے، ان کی جائے ولادت مکہ ہے، اور مقامِ ہجرت طابہ (مدینہ منورہ) ہے اور بادشاہت ملک شام میں ہے۔

☆ حضرت ابو صالح ذکوانؒ، حضرت کعبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعبؓ، تورات کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ہم اس میں یوں لکھا ہوا پاتے ہیں: محمد، اللہ کے رسول ﷺ ہیں، میرے منتخب بندے ہیں، نہ وہ بدخلق ہیں اور

نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں، لیکن معاف کر دیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں، ان کی جائے ولادت مکہ ہے اور ہجرت طیبہ میں ہوگی اور ان کی بادشاہت شام میں ہے اور ان کی امت بہت حمد کرنے والی ہے، خوشی اور تکلیف (دونوں) کی حالت میں اللہ کی حمد کرتی ہے، ہر منزل پر اللہ کی حمد کرتی ہے اور ہر بلند جگہ پر اس کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ سورج کا خیال رکھتی ہے، جب نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھتی ہے، نصف پنڈلی تک تہبند باندھتی ہے، اور اپنے اعضاء کو دھوتی ہے، ان کا منادی آسمان کی فضاء میں اعلان کرتا ہے، ان کی جہاد میں صف بندی اور نماز میں صف بندی برابر ہوتی ہے، ان کی رات کو ایسی آواز ہوتی ہے جیسی شہد کی مکھی کے بھنبھانے کی آواز ہوتی ہے۔ (ضعیف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں کا ذکر

☆ حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک میرے چند نام ہیں، میں **محمد** ہوں اور میں **احمد** ہوں، اور میں **الماحی** ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹائے گا اور میں **الحاشر** ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا اور میں **العاقب** ہوں''، ''**عاقب**'' اس کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک میرے چند اسماء ہیں، میں **احمد** ہوں، اور میں **محمد** ہوں اور میں **الماحی** ہوں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے اور میں **الحاشر** ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر اکٹھا کیا جائے گا اور میں **العاقب** ہوں۔'' امام زہریؒ سے پوچھا گیا کہ ''**العاقب**'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (هذا حديث متفق على صحته اخرجه مسلم عن عبد بن حميد، عن عبدالرزاق)

حدیث ہذا میں مذکور لفظ ''**يحشر الناس على قدمي**'' کا مطلب یہ ہے کہ

آپ ﷺ کا لوگوں میں سب سے پہلے حشر ہوگا جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک جگہ فرمایا کہ میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین شق ہوگی۔'' اور ''العاقب'' کہتے ہیں آخر میں آنے والے کو، اس سے مراد نبیوں میں سب سے آخر میں آنے والا ہے۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں: عاقب کہتے ہیں ہر وہ چیز جو ایک چیز کے بعد ہو۔

☆ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: مدینہ کے کسی راستہ میں میری ملاقات حضورِ اقدس ﷺ سے ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں **محمد** ہوں، اور میں **احمد** ہوں اور میں **نبی الرّحمة** ہوں اور میں **نبی التوبة** ہوں اور میں **المقفّی** ہوں اور میں **الحاشر** ہوں اور میں **نبی الملاحم** ہوں۔''

نیز حضرت جابرؓ سے صحیح روایت ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا نام قاسم رکھا گیا کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔''

ابن الاعرابیؒ فرماتے ہیں: ''**المقفّی**'' کہتے ہیں اس کو جو نبیوں کے پیچھے آنے والا ہو، اور شمرؒ کہتے ہیں: ''**المقفّی**'' اور ''**العاقب**'' دونوں کا ایک ہی معنی ہے، ''**المقفّی**'' کہتے ہیں جانے والے اور رخ پھیرنے والے کو، جیسے کہتے ہیں: **قفی علیه**: یعنی وہ چلا گیا، لہٰذا **المقفّی** کا معنی ہوا آخر الانبیاء، پس جب آپ ﷺ چلے گئے تو ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہے۔

سوال: حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''میں **نبی الرّحمة** ہوں اور میں **نبیّ الملاحم** ہوں'' ان دونوں کے درمیان وجہ تطبیق کیا ہوگی؟ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں ایک رحمت ہوں جو ہدایت کی گئی ہے'' اور فرمایا: مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا'' نیز اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: ﴿ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ**'' (الانبیاء: ۱۰۷) بہر حال یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ **مبعوث بالرحمت** (رحمت بنا کر بھیجے گئے) بھی ہوں اور **مبعوث بالسیف** (تلوار دے کر بھیجے گئے) بھی ہوں؟

جواب: آپ ﷺ مبعوث بالرحمت ہیں جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہوا، نیز جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے بھی خبر دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور معجزات کے ذریعہ ان کو قوت بخشی، پس جس امت نے حجت و دلیل اور معجزات کے بعد بھی انکار کیا ان کو عذاب دیا گیا اور وہ ہلاک کر دئیے گئے اور جڑ سے اکھاڑ دیئے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسوں کے ساتھ جہاد بالسیف کا حکم دیا تاکہ وہ کفر سے باز آ جائیں، اور ان کی تلوار کی وجہ سے بیخ کنی نہیں ہوگی، کیونکہ تلوار کی وجہ سے تو بقاء ہے مگر نازل شدہ عذاب کی وجہ سے بقاء نہیں ہے۔ مروی ہے کہ عرب کی ایک قوم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں تلوار نے فنا کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے آخر کے مقابلہ میں زیادہ باقی ....

پس یہ معنی ہے اس رحمت کا جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمائے گئے، خطابیؒ نے اس کو ذکر کیا، میں کہتا ہوں: اس کی تائید حدیث عائشہؓ سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا، اس نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں ان (لوگوں) پر ان دو پہاڑوں کو ملا دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد نکلے گی جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرے گی۔'' میں کہتا ہوں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حیثیت سے بھی مبعوث بالرحمة ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے وہ بوجھ اور طوق دور فرما دیئے جو سابقہ امتوں کی شریعتوں میں لوگوں پر تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾

(الاعراف: ۱۵۹)

''اور وہ ان سے ان کا بوجھ اور طوق دور کرتے ہیں جو ان پر تھے۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو سابقہ امتوں کے مقابلہ میں عمریں کم ہونے اور

تھوڑے عملوں کے باوجود دگنا اجر عطا کیا گیا جبکہ سابقہ امتوں کی عمریں بھی زیادہ اور اعمال بھی زیادہ تھے، جیسا کہ حدیث ابن عمرؓ میں ہے: ''بے شک یہود ونصاریٰ نے کہا: کیا وجہ ہے کہ ہم زیادہ عمل کریں اور عطا کم ہو؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: پس یہ میرا فضل ہے جس کو چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر اپنی رحمت کو مخلوقات پر کامل کر دیا اور ان پر نعمت کو تام کر دیا اور ان پر اپنے احسان کو عظیم کر دیا۔

فله الحمد اولاً و آخراً، وظاهراً و باطناً۔

﴿مُہر نبوت کا ذِکر﴾

☆ حضرت جعد بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: میں نے سائب بن یزیدؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے میری خالہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا بھانجا تکلیف میں مبتلا ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا فرمائی، اور وضو فرمایا، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا پانی پیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مونڈھوں کے درمیان مہر دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔'' (هذا حديث متفق على صحته)

حدیث میں مذکور لفظ ''زرّ الحجلة'' سے مراد وہ گھنڈیاں ہیں جو مسہری پر باندھی جاتی ہیں، امام خطابیؒ کہتے ہیں کہ میں نے بعضوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''زر الحجلة'' چکور کے انڈے کو کہتے ہیں، مؤنث کو حجلة اور مذکر کو یعقوب کہتے ہیں، یہ ایسی بات ہے کہ جس کو میں صحیح نہیں قرار دیتا۔

☆ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں دیکھا جو سرخ رسولی جیسی تھی اور (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔'' (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے، اور میں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر بھی ہوا ہوں، اور میں نے آپ کا کھانا بھی کھایا ہے اور میں نے آپ کے مشروب سے بھی پیا ہے اور میں نے مہر نبوت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں مونڈھے کی ہڈی کے بالائی حصہ میں دیکھا جو مٹھی کے ہم شکل تھی (جس کے چاروں طرف) سیاہ تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔'' (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

حدیث ہذا میں مذکور لفظ ''**نغض الكتف**'' سے مراد وہ باریک ہڈی ہے جو کندھے کی ایک جانب ہوتی ہے۔ اور انسان کے ''**ناغض**'' سے مراد اس کے سر سے ملی ہوئی گردن کی جڑ ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: ''**ناغض**'' مونڈھے کے حصہ کو کہتے ہیں، اس کو ''ناغض'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی میں بھی یہ لفظ آیا ہے:

﴿فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ﴾ (الاسراء: ۵۱)

یعنی ''وہ اپنے سروں کو ازراہِ تمسخر ہلاتے ہیں''

﴿نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک﴾

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بہت لمبے قد کے تھے، نہ پست قد، اور نہ چونے کی طرح بالکل سفید تھے اور نہ بالکل گندم گوں کہ سانولہ پن آ جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچ دار، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس کی عمر ہو جانے پر نبی بنایا اور پھر دس سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ میں قیام فرمایا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات دی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔'' (هذا حديث متفق على صحته)

حدیث میں ایک جملہ مذکور ہوا ''**ليس بالابيض الامهق**'' اس میں 'الامهق'' سے مراد وہ شدید سفیدی ہے جس سفیدی کے ساتھ اور کوئی چیز مخلوط نہ ہو جیسے سرخ رنگ وغیرہ، جس طرح چونے کا رنگ ہوتا ہے، اور ''**الجعد القطط**'' سے مراد

حبشی لوگوں کے بالوں کی طرح بہت زیادہ پیچدار بال ہیں۔اور "السبط" سے مراد وہ بال ہیں جو بالکل سیدھے ہوں، جیسے کہتے ہیں: ھو جعدٌ رجلٌ۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا سر مبارک اور دونوں قدم مبارک بڑے تھے، میں نے نہ آپ ﷺ کے بعد (آپ ﷺ جیسا) دیکھا اور نہ اس سے پہلے، اور آپ ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں، (ھذا حدیث صحیح)

☆ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے متعلق پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک قدرے گھنگریالے تھے، نہ زیادہ سیدھے تھے اور نہ زیادہ پیچ دار جو آپ ﷺ کے کانوں اور مونڈھے کے درمیان رہتے۔(ھذا حدیث متفق علی صحته)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک نصف کان تک تھے۔(ھذا حدیث صحیح اخرجه مسلم)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل اور نہ بالکل پست قد، نہایت خوبصورت جسم والے، آپ ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے، اور آپ ﷺ گندمی رنگ تھے، جب چلتے تو آگے کو جھکتے ہوئے چلتے۔"

☆ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نہ زیادہ طویل قد کے تھے اور نہ پست قد کے تھے، سر مبارک بڑا اور داڑھی بھی بڑی تھی، ہتھیلیاں پر گوشت تھیں، (رنگ) سرخی مائل تھا، اور اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی، جب آپ ﷺ چلتے تھے تو گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں، میں نے نہ آپ ﷺ سے پہلے (کسی کو) دیکھا اور نہ بعد میں آپ ﷺ جیسا دیکھا۔" (ابو عیسیٰ فرماتے ہیں: ھذا حدیث صحیح) (فیه ضعف)

حدیث میں مذکور لفظ "شثن الکفین" کا معنی ہے ہتھیلیوں کا موٹا ہونا۔اور "مشرب حمرة" کا معنی ہے رنگ سفید سرخی مائل تھا۔اور "ضخم الکرادیس" سے

مراد اعضاء کا ضخیم (بڑا) ہونا ہے اور "الکرادیس" ہڈیوں کے سروں کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ "کرادیس" گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ اور "طویل المسربة" سے مراد حدیث ہند بن ابی ہالۃ کے مطابق دقیق المسربة ہے، اور "المسربة" ان باریک بالوں کو کہتے ہیں جو سینہ سے لے کر ناف تک ہوں۔ اور "اذا مشی تکفاء" کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ جب چلتے تو آگے کی جانب جھکتے ہوئے چلتے، جیسے کشتی جب چلتی ہے تو آگے کو جھکتی جاتی ہے۔ اور "الصبب" کا معنی ڈھلان کا ہے، اس کی جمع اصباب آتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ مضبوط چال چلتے تھے، آپ ﷺ اپنے پاؤں زمین سے دور کر کے اٹھاتے تھے، اس شخص کی طرح نہیں جو تکبر اور اتراتے ہوئے چلتا ہے اور اپنے قدم قریب قریب رکھتا ہے۔

☆ حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی دونوں پنڈلیوں میں باریک پن تھا، آپ ﷺ کا ہنسنا، مسکرانا ہی تھا، جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ سرمگیں آنکھوں والے ہیں حالانکہ آپ ﷺ سرمگیں آنکھوں والے نہیں تھے۔" (ابوعیسیٰؒ فرماتے ہیں هذا حديث غريب) (ضعيف)

☆ حضرت سماک بن حرب فرماتے ہیں: میں نے حضرت جابرؓ بن سمرہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک (اعتدال کے ساتھ) فراخ تھا، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایڑی مبارک پر گوشت بہت کم تھا، شعبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سماک سے پوچھا کہ "ضليع الفم" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: بڑے منہ والے، میں نے پوچھا کہ "اشكل العينين" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: آنکھ کی جانب طویل تھی (یہ معنی کتب لغت میں موجود نہیں ہے) میں نے "منهوش العقب" کا معنی پوچھا تو فرمایا: ایڑی پر گوشت کم تھا۔ (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم عن محمد بن المثنى)

ابوعبیدؒ کہتے ہیں: "الشكلة" آنکھ کی سفیدی میں سرخ ڈوروں کو کہتے ہیں، اور "الشهلة" آنکھ کی سیاہی میں سرخ ڈوروں کو کہتے ہیں، نیز "منهوس القدمين" سین کے ساتھ بھی مروی ہے، اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اس پر گوشت کم تھا، دراصل

''النھس'' ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو دانتوں کے اطراف سے پکڑنے کو کہتے ہیں، اور ''النھش'' داڑھوں سے پکڑنے کو کہتے ہیں۔

☆ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اگلے دانت مبارک کچھ کشادہ تھے، جب آپ ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔''

☆ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں حضورِ اکرم ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال مبارک آپ ﷺ کے مونڈھوں تک آرہے تھے، آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا اور آپ ﷺ نہ پست قد تھے اور نہ زیادہ دراز قد۔''

(ھذا حدیث صحیح اخرجہ مسلم)

حدیث ہذا میں مذکور لفظ ''اللمّة'' الجمة سے کم ہوتا ہے، اس کو ''لمّة'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بال مونڈھوں کے ساتھ لگے ہوتے ہیں جب اس سے بڑھتے ہیں تو وہ ''جمة'' کہلاتے ہیں۔

☆ حضرت براءؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ درمیانہ قد کے تھے، آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا، آپ ﷺ کے بال مبارک آپ ﷺ کے کان کی لو تک پہنچے ہوئے تھے، میں نے آپ ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا، میں نے کوئی چیز آپ ﷺ سے زیادہ حسین کبھی نہیں دیکھی۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحته.........) اور فرمایا: آپ ﷺ کے بال مبارک بہت زیادہ تھے اور کان کی لو تک تھے۔

☆ حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں: حضرت براءؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح تھا؟ فرمایا: نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

(ھذا حدیث صحیح)

☆ حضرت سعید الجریریؒ فرماتے ہیں، میں نے ابو الطفیل کو فرماتے ہوئے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور اب میرے سوا اس روئے

زمین پر کوئی نہیں رہا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو، میں نے کہا: آپ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کریں، فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید رنگ جاذبِ صورت اور متوسط جسامت والے تھے۔'' (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

حدیث ہذا میں مذکور لفظ ''مقصّدًا'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ جسیم تھے اور نہ کوتاہ قد تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''مقصّد'' معتدل قد کے آدمی کو کہتے ہیں جیسے لفظ ''الربعة'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے: ''ومنهم مقتصدٌ'' (لقمان: ۳۲) یعنی ظالم لنفسہ اور سابق بالخیرات کے درمیان میں جو ہو۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین کسی چیز کو نہیں دیکھا، گویا کہ آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے چہرہ میں چل رہا ہے (یعنی چمک رہا ہے) اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا گویا زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لپٹی جاتی تھی، ہم لوگ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلنے میں) اپنی جانوں پر مشقت ڈالتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔''

☆ حضرت علیؓ بن ابی طالب جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حلیہ مبارک بیان کرتے تو فرماتے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہتھیلی (ہاتھ) کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ سخی، سینہ (دل) کے اعتبار سے سب لوگوں سے زیادہ جرأت مند، سب لوگوں سے زیادہ سچی زبان والے، سب سے زیادہ عہد پورا کرنے والے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یکا یک دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا تھا اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب بنا لیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا شخص نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔'' (ضعيف)

☆ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر سب انبیاء علیہم السلام پیش کیے گئے (یعنی مجھے دکھائے گئے) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے دُبلے بدن کے آدمی ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں اور میں

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعودؓ ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں اور میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں دحیہ (کلبیؓ) معلوم ہوئے۔(ھذا حدیث صحیح اخرجه مسلم)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں اور خضاب کا ذکر

☆ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی سفیدی اس حد کو تو پہنچی ہی نہ تھی، سفیدی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی تھی، البتہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حنا (مہندی) اور کتم (ایک بوٹی) سے خضاب کرتے تھے۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحته)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں چودہ سے زیادہ سفید بال مبارک نہیں گنے۔''

☆ حضرت سماک بن حربؒ فرماتے ہیں: کسی نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے پوچھا: کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں صرف چند بال مانگ پر سفید تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیل لگاتے تو وہ تیل ان بالوں کو چھپالیتا تھا۔'' (ھذا حدیث صحیح اخرجه مسلم)

☆ حضرت حریز بن عثمانؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے پوچھا کیا آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوڑھا دیکھا ہے؟ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش بچہ میں چند بال سفید تھے۔(ھذا حدیث صحیح)

☆ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔''

☆ حضرت ایاد بن لقیطؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو رمثہؓ فرماتے ہیں: میں اپنے

بیٹے کو ساتھ لے کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گواہ رہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی جنایت کا بدلہ تم پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اس پر نہیں ہے۔ (ابو رمثہؓ) کہتے ہیں: اس وقت میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں کو سرخ دیکھا۔"

☆ حضرت سفیان، حضرت ایاد سے وہ حضرت ابو رمثہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی داڑھی مبارک کو مہندی لگائی ہوئی تھی۔"

حضور علیہ السلام کی عمدہ خوشبو کا ذکر

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ پیاری خوشبو نہ مشک کی کبھی سونگھی اور نہ عنبر کی، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کوئی چیز مَس کی خواہ وہ ریشمی کپڑا ہو یا خالص ریشم۔" (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ام سلیمؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور ان کے ہاں قیلولہ (آرام) فرماتے تھے، پس وہ (ام سلیمؓ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک کو جمع کر کے خوشبو میں ملا لیتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ پسینہ آتا تھا۔"

☆ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہلی نماز پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کی طرف نکلے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چند لڑکے آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کے رخساروں پر ایک ایک کر کے دست مبارک پھیرنے لگے، فرماتے ہیں: میرے رخسار پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک پھیرا، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو محسوس کی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کسی عطار کی ٹوکری سے نکالا ہو۔" (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت ثمامہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیمؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چرمی فرش بچھاتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چرمی فرش پر ان کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے،

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے تو وہ (ام سلیمؓ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک اور بال مبارک کو لے لیتیں اور اس کو ایک شیشی میں ڈال لیتیں، پھر اس کو خوشبو کی شیشی میں جمع کر لیتیں، آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ کا جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط میں اس خوشبو والی شیشی میں سے کچھ ملا دیا جائے، فرماتے ہیں پس ان کے حنوط میں اس کو ملا دیا گیا۔'' (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے ہاں تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسینہ آیا۔ پس میری والدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک کو ڈالنے لگیں، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلیمؓ! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ ام سلیمؓ نے کہا: یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک ہے ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا لیں گے اور یہ بہترین خوشبو ہے۔'' (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمدہ خوشبو کے ذریعہ پہچان لیا کرتے تھے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (القلم)

''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔''

حضرت عطیہ العوفیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآنِ کریم کے آداب ہیں اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآن تھے۔

☆ حضرت ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت براءؓ کو فرماتے ہوئے سنا: آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہرے کے اعتبار سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھے اور اخلاق کے اعتبار سے بھی سب سے اچھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ دراز قد تھے اور نہ زیادہ پست قد۔'' (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے مجھے کبھی بھی اف تک نہیں کہا، اور آپ ﷺ نے کسی ایسے کام پر جو میں نے کیا ہو یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا ہے؟ اور نہ ہی کسی ایسے کام پر جو میں نے نہ کیا ہو یہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیوں نہیں کیا؟ رسول اللہ ﷺ تو اخلاق کے اعتبار سے تمام لوگوں میں بہت اچھے تھے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ کوئی ریشمی کپڑا مَس کیا اور نہ کوئی خالص ریشم اور نہ کوئی اور چیز، اور نہ ہی میں نے رسول اللہ ﷺ کے پسینہ مبارک سے زیادہ خوشبودار کوئی مشک سونگھی اور نہ کوئی عطر۔" (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے، میرا ہر کام میرے صاحب کی خواہش کے مطابق نہیں تھا، آپ ﷺ نے مجھے اُف بھی نہیں فرمایا۔ اور مجھے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟۔"

☆ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: "بے شک رسول اللہ ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف فحش گوئی فرماتے تھے، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، تم میں بہترین شخص وہ ہے جو تم میں سے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔"

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی چیز کو نہیں مارا، سوائے اس کے کہ آپ ﷺ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں، اور نہ کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو۔" (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے اور نہ ہی بہ تکلف فحش گوئی فرماتے تھے اور نہ بازاروں میں چلانے والے تھے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے۔ یا درگزر کر دیتے تھے۔"

☆ حضرت ہلال بن علیؒ فرماتے ہیں: حضرت انسؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نہ تو گالم گلوچ کرنے والے تھے اور نہ فحش گو تھے اور نہ لعنت کرنے والے تھے، ہم میں سے اگر کسی سے ناراضگی ہوتی تو یوں فرماتے اس کو کیا ہو گیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔"

(هذا حديث صحيح)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر نجران کی چادر تھی جو سخت کنارے والی تھی، پس ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی چادر کے ساتھ اس زور سے کھینچا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مونڈھے کے ایک حصے کو دیکھا کہ چادر کے کنارے نے اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے اس پر نشان ڈال دیا، پھر وہ کہنے لگا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو اللہ کا مال تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے دینے کا حکم دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے، پھر ہنسے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

☆ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا تو کسی آدمی نے کہا: اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ پس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) یہ بات ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا، پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو تو اس سے بھی زیادہ سخت تکلیف دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؓ فرماتے ہیں: کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کے خلاف بددعا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک میں لعنت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں ہوا بلکہ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے: مدینہ منورہ کے کسی راستے میں ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئی اور کہنے لگی۔ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں جس گلی کا تم کہو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اس خاتون نے ایک مقام میں بیٹھنے کو کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف فرما ہوئے اور اس کی بات سنی اور اس کی ضرورت کو پورا کیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: مدینہ کی کوئی بھی باندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ

مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔

مسلم الاعور فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کی عیادت فرماتے۔ جنازے کے ساتھ چلتے، غلاموں کی دعوت بھی قبول فرماتے، دراز گوش پر سواری فرماتے غزوۃ خیبر کے موقع پر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک ایسے گدھے پر سواری فرمائے ہوئے تھے کہ جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ بغیر زین کے گدھے پر سواری فرماتے، غلام کی دعوت قبول فرماتے زمین پر لیٹتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ اور فرماتے لو دعیت الی کراع جئت، ولو أهدی الیّ ذراع لقبلت. ''اگر مجھے بکری کے پائے کی دعوت بھی دی جائے تو میں قبول کروں گا، اگر ایک دستی بھی ہدیہ کردی جائے تو اسے بھی قبول کرلوں۔''

حضرت عروۃ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام وغیرہ کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جوتے خود درست فرماتے، اپنے کپڑے سیتے تھے۔ اور جیسے تم لوگ اپنے گھروں میں کام سرانجام دیتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ حضرت عمرہؓ کہتی ہیں: کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں معمولات کیا تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: وہ ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑے صاف کرتے اپنی بکری کا دودھ دھوتے، اپنا کام خود سرانجام دیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو خدام مدینہ اپنے برتنوں میں پانی لاتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ بسا اوقات سخت سردی میں بھی اپنا ہاتھ مبارک برتن میں ڈالتے۔ (هذا حدیث صحیح)

حضرت اسود فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔ حضور اقدس

ﷺ گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: اپنے گھر والوں کی خدمت میں مصروف ہوتے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ حضرت شعبہ نے فرمایا جب اذان کی آواز سنتے تو نماز کے لیے چلے جاتے۔ **(ھذا حدیث صحیح)**

حضرت خارجہ بن زید فرماتے ہیں: کچھ لوگ حضرت زید بن ثابت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ میں سے حدیثیں بیان کیجئے۔ فرمایا: میں کون کون سی حدیثیں سناؤں؟ میں حضور ﷺ کا پڑوسی تھا۔ جب وحی کا نزول ہوتا تو آپ ﷺ مجھے طلب فرماتے، میں حاضر ہوتا اور اس کو لکھ لیتا اگر ہم دنیا کا تذکرہ کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ مل کر کلام فرماتے۔ اگر ہم آخرت کی باتیں کرتے تو آپ ﷺ آخرت کے متعلق گفتگو فرماتے۔ اگر ہم کھانے پینے کے متعلق باتوں میں مصروف ہوتے آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے پینے کے متعلق کلام فرماتے یہ سب حدیثیں ہیں جو میں آپ کو سنا رہا ہوں۔

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کسی سے مصافحہ فرماتے تو اس وقت تک اپنا ہاتھ مبارک نہ کھینچتے جب تک وہ شخص خود ہی اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا اور اپنا رخ مبارک اس وقت تک نہ ہٹاتے جب تک وہ شخص اپنا چہرہ نہ ہٹاتا، کسی بھی مجلس میں آپ ﷺ کو ٹانگیں پھلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ **(ھذا حدیث ضعیف)**

☆ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میری تعریف میں حد سے تجاوز مت کرو۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت ابن مریمؑ کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ بس یوں کہو۔ **"عبداللّٰہ ورسولہ"** اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ۔ **(ھذا حدیث صحیح)**

عطارد بن حاجبؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی بھری مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت جبریل تشریف لائے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ مجھے ایک ایسے درخت کی طرف لے گئے جس میں پرندے کے دو گھونسلوں کی طرح کی چیز تھی، ایک میں وہ خود بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا، پھر وہ چیز ہمیں لے کر

اوپر کو گئی حتیٰ کہ اس نے افق کو بھر دیا اگر میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بڑھاتا تو اس کو پکڑ لیتا، پھر ایک رسی لٹکائی گئی پھر نور اترا تو جبریلؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے گویا کہ وہ ٹاٹ ہیں، پس میں نے پہچان لیا کہ ان کی خشیت میری خشیت سے زیادہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ تم بندہ پیغمبر بنناچاہتے ہو یا پیغمبر بادشاہ؟ تو جبریلؑ نے مجھے لیٹے ہوئے اشارہ کیا کہ "بلکہ بندہ پیغمبر بنو"۔ (مرسل، وفیہ ضعف)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا، اس کی کمر خانہ کعبہ کے برابر تھی اور کہنے لگا: کہ آپ کا رب آپ کو سلام کہہ رہا ہے اور فرما رہا ہے۔ اگر چاہو تو بندہ پیغمبر بنو۔ اگر چاہو تو بادشاہ پیغمبر بنو۔ تو میں نے (مشورہ طلب نظروں سے) حضرت جبریل کی طرف دیکھا۔ تو انہوں نے تواضع کرنے کی طرف اشارہ فرمایا: تو میں نے کہا: بندہ پیغمبر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد آپ ﷺ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ فرمایا کرتے: میں غلام کی طرح کھاؤں گا اور غلام کی طرح بیٹھوں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ فرشتے نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ بادشاہ پیغمبر بنو، یا بندہ پیغمبر، حضور ﷺ نے مشورہ طلب نظروں سے حضرت جبریلؑ کی طرف دیکھا حضرت جبریل علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے تواضع اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لابل عبدا نبیاً." اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے آخر عمر تک کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

آپ ﷺ کی سخاوت کا ذکر:

☆ حضرت محمد بن المنکد رفرماتے ہیں: میں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے منع

فرمایا ہو۔ (ھذا حدیث صحیح اخرجہ مسلم)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ آپ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان کے مہینے میں ہوتی تھی جس وقت جبریلؑ امین آپ سے ملتے، اور رمضان المبارک میں ہر رات جبریل کی تشریف آوری ہوتی تھی اور آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے پھر حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ ﷺ کی سخاوت تیز بارش برسانے والی ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔

ایک مرتبہ اہل مدینہ نے کسی گھبراہٹ کا شکار ہو کر آپ سے مدد طلب کی تو آپ ﷺ ابوطلحہ کے گھوڑے پر ننگی پیٹھ سوار ہوئے۔ پھر واپسی پر فرمانے لگے۔ "لن تراعوا لن تراعوا" (مت گھبراؤ۔ مت گھبراؤ۔ پھر فرمایا) "انا وجدناہ بحرًا" (ہم نے اس گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رو پایا)۔ (ھذا حدیث صحیح)

یہاں حدیث میں "لن تراعوا" میں لن "لا" کے معنی میں ہے۔

☆ حضرت جبیرؓ بن مطعم فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب غزوہ حنین سے واپس لوٹے تو دیہاتی آپ ﷺ سے کچھ مانگنے لگے اور ایک درخت کے پاس ٹھہرنے پر آپ کو مجبور کیا۔ اور آپ ﷺ کی چادر کھینچی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ میری چادر واپس کرو۔ کیا تم میرے بارے میں بخل کا خدشہ رکھتے ہو۔ پھر فرمایا۔ اللہ کی قسم! اگر اس درخت کے پتوں کے برابر میرے پاس اونٹ ہوتے میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کرتا۔ پھر فرمایا۔ تم مجھے بخیل، بزدل اور جھوٹا ہرگز نہیں پاؤ گے۔ (ھذا حدیث صحیح)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ اگلے دن کے لیے کوئی چیز نہ رکھتے تھے، حضرت انسؓ سے روایت ہے: ایک شخص نے خدمت اقدس میں آ کر کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بہت ساری بکریاں عطا فرما دیں۔ اس

نے اپنی قوم میں جا کر اعلان کیا، لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنا عطا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد فاقہ کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صفوانؓ بن امیہ نے ان سے کہا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر مجھ کو کچھ عطا فرمایا حالانکہ اس وقت میں سب سے زیادہ ان سے بغض رکھتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عطایا سے مجھے نوازتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ترین بن گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاء اور کم گوئی کا تذکرہ:

☆ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرم وحیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردے میں ہو کہیں زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ کے چہرے سے پہچان لیتے۔

☆ حضرت جابرؓ بن سمرہ فرماتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری طرح تیز نہیں بولتے تھے۔ بلکہ ایسے الفاظ کو جدا جدا کر کے بولتے کہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا شخص بآسانی اس کو یاد کرتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کا تذکرہ:

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں میں خوبصورت ترین، سب سے زیادہ سخی، اور سب سے زیادہ بہادر تھے، حضرت براءؓ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب جنگ کی سخت ترین حالت ہوتی تو ہم خود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچاؤ میں دیتے یعنی ہم میں سے بہادر شخص آپ کے محاذات میں ہوتا۔ (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب جنگ شدید تر ہوتی اور دشمن کے ساتھ دو بدو جنگ ہوتی تو ہم خود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے بچاتے۔ ہم میں سے دشمن کے قریب سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے غزوہ بدر میں دیکھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں ہیں اور

ہم میں سب سے زیادہ دشمن کے قریب آپ ﷺ ہی ہیں۔ اور اس دن آپ ﷺ نے انتہائی بہادری اور قوت کا مظاہرہ کیا۔

آپ ﷺ کے تبسم کا تذکرہ:

☆ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کا حلق مبارک ظاہر ہو، آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔

(هذا حديث صحيح)

☆ عبداللہؓ بن الحارث فرماتے ہیں: میں نے کسی کو آپ ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔ (هذا حديث غريب)

دو امروں میں آسان کو اختیار کرنے کا تذکرہ:

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ آسان کام کو اختیار فرمایا بشرطیکہ اس میں گناہ کا عنصر نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ کا شائبہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے کوسوں دور رہتے۔ اور آنحضرت ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی کو سزا نہیں دی ہاں مگر اللہ تعالیٰ کی حرمات میں ہتک (نافرنی) کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر سزا دیتے۔

آپ ﷺ کی جامع صفات کا تذکرہ:

ام معبد عاتکہؓ بنت خالد کے بھائی حُبیشؓ بن خالد کہتے ہیں کہ اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تو آپ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرما کر مکہ مکرمہ سے بسوئے مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامرؓ بن فہیرۃ اور رہبر عبداللہؓ بن اریقط اللیثی بھی تھے۔ راستہ میں ام معبدؓ عاتکہ کے ڈیرے کے پاس سے گزر ہوا، عاتکہؓ اپنے ڈیرے میں موجود

تھیں۔ آپؓ اپنے ڈیرے ہی میں رہتیں اور مسافروں کو اشیاء خوردونوش مہیا کرتیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے گوشت یا کھجور وغیرہ کے متعلق دریافت فرمایا، تاکہ خرید لیں لیکن ام معبدؓ کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ڈیرے کے قریب کھڑی ایک بکری کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ام معبدؓ! یہ کیسی بکری ہے، وہ کہنے لگیں، یہ بیماری کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس لیے یہی نظر آ رہی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا، دودھ دیتی ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ ضعف اور کمزوری کی وجہ سے یہ دودھ نہیں دیتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کا دودھ دھونے کی اجازت دیجئے۔ وہ تعجب سے کہنے لگیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اگر اس میں دودھ نظر آتا ہے تو نکال لیجئے آپ ﷺ نے بکری کو بلایا۔ اس کے تھن پر دست مبارک رکھا اللہ کا نام لیا اور برکت کی دعا کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے تھن میں دودھ بھر آیا۔ آپ ﷺ نے برتن منگوایا جس میں دودھ دھو کر پیا جا سکے چنانچہ آپ ﷺ نے دودھ نکالا۔ برتن آخر تک بھر گیا آپ ﷺ نے ام معبدؓ کو پلایا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک وہ خوب سیر ہو گئے۔ آخر میں خود نوش فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ نکالا حتیٰ کہ برتن بھر گیا۔ اس کو ام معبدؓ کے ہاں رکھ دیا۔ ام معبدؓ مسلمان ہو گئیں۔ اور آپ ﷺ مع اصحاب کے وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا۔ ام معبد کا شوہر ابو معبد کمزور قسم کی بکریاں ہنکا کر گھر آیا۔ اور جب دودھ کو دیکھا تو سخت متعجب ہوا اور بیوی سے کہنے لگا کہ ام معبد! یہ دودھ تیرے پاس کہاں سے آیا جبکہ بکریاں دور چراگاہ میں تھیں وہ کہنے لگیں اللہ کی قسم! ایک انتہائی بابرکت اور ایسی ایسی صفات سے متصف شخصیت کا ہمارے ہاں سے گزر ہوا۔

ابو معبد نے کہا۔ ان کا حلیہ اور صفات ذرا بیان کیجئے۔ وہ کہنے لگی میں نے ایک چمکتے چہرے والا شخص دیکھا نہ زیادہ کمزور نہ ہی زیادہ بھاری جسم والا۔ انتہائی خوبصورت جسم کا متحمل سرگیں آنکھوں والے۔ لمبی پلکوں والے۔ ان کی آواز میں انتہائی اعتدال کے ساتھ حدّت تھی۔ اور گردن لمبی، گھنی داڑھی والے اور باریک ملی ہوئی ابرو والے تھے،

خاموش رہے تو انتہائی پروقار، اور بات کرے تو سب پر چھا جائے اور انتہائی خوبصورت کلام کرے۔ دور سے دیکھیں تو انتہائی خوبصورت اور قریب سے دیکھیں تو خوبصورتی وحسن جمال کا پیکر، ایسی بہترین گفتگو والے کہ جس میں نہ فضول گوئی ہو اور نہ ہی ضروری بات چھوٹ جائے۔ اور ایسا مرتب کلام گویا پروئے ہوئے موتی، نہ زیادہ لمبے ورنہ ہی پست قد۔ شاخ کی طرح سیدھا جسم، تینوں ساتھیوں میں سب سے زیادہ خوش نظر اور زیادہ سے زیادہ مرتبہ والا، ان کے رفقاء ان کے آس پاس رہتے ہیں۔ اگر وہ کلام کرے تو یہ خاموشی سے سنتے ہیں۔ اور اگر کسی کام کو کرنے کا حکم کرتے ہیں تو اس کو بجا انے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ساتھی ن کے پاس جمع رہتے ہیں اور خدمت اور طاعت میں سرعت (جلدی) کرتے ہیں۔ نہ زش رو، کلام میں بے فائدہ گفتگو نہیں۔

ابو معبد نے کہا: یہ تو وہی شخصیت لگ رہی ہے جس کا تذکرہ قریش مکہ کیا کرتے تھے۔ اور میں نے بھی ان کی صحبت اختیار کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ اگر مجھے موقع مل گیا تو میں اپنے اس ارادے کی تکمیل ضرور کروں گا۔ اس کے بعد مکہ میں ایک اونچی آواز سنائی دی مگر آواز دینے والا نظر نہیں آ رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا:

جزى اللّٰه رب الناس خير جزائه — رفيقين قالا ضيمتى اُم معبد
هما نزلاها بالهدى واهتدت به — فقد فاز من امسى رفيق محمد
فيال قصى مازوى اللّٰه عنكم — به من فعال لا يجازى وسودد
سلوا اختكم عن شاتها وانائها — فانكم ان تسألوا الشاة تشهد
دعا ها بشاة حائل فتحلبت — عليه صريحا ضرة الشاة مزبر
فغادرها رهنا لديها لحالب — يرّددها فى مصدر ثم مورد

''اللہ تعالیٰ ان دونوں ساتھیوں کو بہترین جزاء عطا فرمائے جو ام معبد کے ڈیرے پر ہدایت لے کر تشریف لائے۔ اور ام معبد کو جن سے ہدایت ملی۔ جس نے محمد (ﷺ) کی رفاقت اختیار کی وہ

یقیناً عظیم کامیابی پر فائز ہوا۔ ہائے قبیلہ قصی تمہارے لیے افسوس ہے! کہ انتہائی خیر و بھلائی تم سے دور ہوگئی۔ اپنی بہن سے ان کی بکری اور اس کے دودھ کے متعلق دریافت کرو۔ اگر تم اس کے متعلق پوچھو گے تو بکری گواہی دے گی۔ ان کی حاملہ نہ ہونے والی بکری کے لیے برکت کی دعا کی تو اس کے تھنوں میں خالص دودھ بھر آیا۔ ان کے پاس اس کو بطور رہن چھوڑ کر تشریف لے گئے تاکہ ہر آنے جانے والے کے لیے اس کو دھویا جاسکے۔

حدیث مبارک میں وارد بعض الفاظ کی تشریح:

(بــــرزه) یعنی وہ بوڑھی عورت جو جوان عورتوں کی طرح پردہ نہ کرتی ہو۔ (مُـرملین) وہ لوگ جن کا زادِراہ ختم ہوگیا ہو۔ اگر کسی کا کھانا ختم ہوتو عرب لوگ کہتے ہیں، ''أرمل الرجل'' (مسنتین) قحط میں مبتلا لوگ۔ ایک روایت ''مشتین'' کی بھی ہے۔ یعنی بھوک میں مبتلا لوگ۔ اور موسم میں داخل ہونے والوں کو بھی ''مشتیــن'' کہا جاتا ہے۔ یعنی اہل عرب ''اشتــی الـقوم'' موسم گرما میں داخل ہونے والوں کو کہتے ہیں ''اصاف القوم''، ''کسر الخیمة'' خمیہ کا ایک طرف، اس میں دو لغتیں ہیں ''کسر'' کاف کے فتحہ کے ساتھ ''کسـر'' کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ جیسا کہ لفظ ''نـفـط'' اور ''برز'' میں دو لغتیں ہیں۔ ''خلفها الجهد'' کا معنی ہے کمزور و لاغر ہونا۔

''ثـج'' کا معنی جاری ہونا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''وَأَنـزَلْنَـا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَآءً ثَجَّاجاً.''

''صـقلة'' کمر کے معنی میں ہے، یعنی نہ زیادہ کم گوشت اور نہ ہی زیادہ گوشت والی کمر۔ (الدعج) آنکھ کی سیاہی۔ ''وطف'' کا معنی لمبا۔ اس میں ایک لغت عطف اور ایک غـطف کی بھی ہے اور سب کے معنی طول کے ہیں۔ (مـخشـود، مـحـفـود) ''مـخشـود'' کے معنی ہیں وہ شخص جس کے پاس لوگ جمع ہوں اور ''مـحـفـود'' کا معنی

مخدوم ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:" وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وحَفَدَةً"۔ ''حفدة'' اعوان ومددگاروں کو کہا جاتا ہے۔حفد کا اصل معنی جلدی کرنا ہے ''مفند'' کا معنی بے فائدہ کلام۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق فرمان باری ہے:"لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ"۔ (یوسف:۹۴)

☆ مکہ میں جو آواز مذکورہ اشعار کی صورت میں سنائی دی جارہی تھی وہ کسی مسلمان جن کی آواز تھی جو زیریں مکہ سے آنی شروع ہوئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ کے بالائی حصے میں پہنچ گئی تھی۔حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں جب اس ہاتف کی آواز ہم نے سنی تو سمجھ گئے کہ آپ ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔

☆ حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ھالہ سے جو آنحضرت ﷺ کی صفات مبارکہ بیان فرمایا کرتے تھے درخواست کی کہ میرے سامنے آنحضرت ﷺ کے صفات اقدس بیان کریں۔چنانچہ انہوں نے یوں بیان کیا کہ آپ خود اپنی اعلیٰ صفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے۔اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبے والے تھے۔آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں چاند کی طرح چمکتا تھا۔آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے پست تھا۔سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے، ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔جس زمانے میں بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہوتے تھے۔آپ کا رنگ مبارک نہایت چمکدار تھا۔اور پیشانی مبارک کشادہ، آپ ﷺ کے ابرو خمدار، باریک اور گنجان تھے۔دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی۔جو غصے کے وقت ابھر جاتی تھی۔آپ ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی۔اس پر ایک چمک تھی اور نور تھا۔ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا۔آپ کی ڈاڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی، آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی۔رخسار مبارک ہموار

اور ہلکے تھے۔ اور پُر گوشت تھے۔ آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ آپ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی، آپ ﷺ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے۔ اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ کے سب اعضاء نہایت مناسب اور پُرگوشت تھے، اور بدن مبارک گھٹا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا۔ لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے فصل تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور کلاں تھیں کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ کا بدن مبارک روشن اور چمکدار تھا۔ ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کیطرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی۔ اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا۔ البتہ دونوں بازؤوں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصے پر بال تھے۔ آپ ﷺ کی کلائیاں دراز تھیں۔ اور ہتھیلیاں فراخ، نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔ آپ ﷺ کے تلوے قدرے گہرے تھے۔ اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملائمت کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا۔ فوراً ڈھل جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے۔ اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔ آپ ﷺ تیز رفتار تھے۔ اور ذرا کشادہ قدم رکھتے چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے۔ جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے ہیں تو پورے بدن کو پھیر کر توجہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی نظر نیچی رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی نگاہ بنسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ عموماً گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی۔ لیکن غایت شرم وحیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔ چلنے میں صحابہ کو اپنے آگے کر دیتے تھے۔ اور آپ ﷺ پیچھے رہ جاتے تھے۔ جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔

☆ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ماموں سے عرض کیا کہ حضور اقدس کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے! انہوں نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ (آخرت کے) متواتر غم میں مشغول رہتے تھے۔ (ذات وصفاتِ باری تعالیٰ یا امت کی بہبود کے لیے) ہر وقت سوچ میں رہتے تھے، ان امور کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے تھے، بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے، آپ ﷺ کی تمام گفتگو اول سے آخر تک منہ بھر کر ہوتی تھی، جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے، آپ ﷺ کی گفتگو ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی تھی، نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں اور نہ کوتاہیاں (کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو) آپ ﷺ نہ سخت مزاج تھے اور نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے، اللہ کی نعمت خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی ہو اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اس کی ذرا بھی مذمت نہ فرماتے تھے، البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے اور نہ زیادہ تعریف (تاکہ حرص کا شبہ نہ ہو) دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا، البتہ اگر کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لاسکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں، اپنی ذات کے لیے نہ کسی سے ناراض ہوتے اور نہ اس کا انتقام لیتے، جب کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، اور جب کسی بات پر اظہارِ تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو اس کو ملا لیتے اور دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے، اور جب کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے، (یا درگزر فرماتے، اور جب خوش ہوتے تو آنکھیں حیا کی وجہ سے بند فرمالیتے)، آپ ﷺ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (بوجوہ) ایک عرصہ تک اس حدیث کا حضرت حسینؓ سے ذکر نہیں کیا، پھر جب میں نے اس کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو مجھ سے پہلے اس حدیث کو سن چکے ہیں، پھر انہوں نے مجھ سے وہ باتیں پوچھیں جو میں نے

ان سے پوچھی تھیں تو میں نے دیکھا کہ وہ تو اپنے والد سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لے جانے اور باہر لانے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز وطریقہ کے متعلق پوچھ چکے ہیں اور کوئی بات نہیں چھوڑی، چنانچہ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر داخل ہونے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے تو اپنے داخل ہونے کو تین حصوں میں تقسیم فرمالیتے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے ادائے حقوق کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لیے۔ پھر اپنے والے حصہ کو دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان میں تقسیم فرماتے، اس طرح سے کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت میں داخل ہوتے ان خواص کے ذریعہ مضامین عوام تک پہنچتے، اور ان لوگوں سے کوئی چیز چھپا کر نہ رکھتے تھے (یعنی نہ دین کے امور میں اور نہ دنیوی منافع میں، غرضیکہ ہر قسم کا نفع بلا دریغ لوگوں تک پہنچاتے تھے) امت کے اس حصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز یہ تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل وعلم کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے اس وقت کو ان کے دینی فضل کے لحاظ سے تقسیم فرماتے تھے، بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے، اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے اور ان کو ایسے امور میں مشغول فرماتے جو خود اُن کی اور تمام امت کی اصلاح کے لیے مفید اور کارآمد ہوں، مثلاً ان کا دینی امور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرنا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی طرف سے مناسب امور کی ان کو اطلاع فرمانا، اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ (ان مفید اور ضروری اصلاحی امور کو) غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو، اس لیے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ایسی (ضروری ومفید) ہی

باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ باتیں (لایعنی اور فضول باتیں) حضور ﷺ کسی سے نہیں سنتے تھے، صحابہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں (دینی امور کے) طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور کچھ چکھے بغیر وہاں سے واپس نہیں آتے تھے اور صحابہؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے خیر وہدایت کے لیے مشعل اور رہنما بن کر نکلتے تھے۔

حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے حضور ﷺ کے گھر سے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان مبارک کو محفوظ رکھتے تھے، (یعنی فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے) آنے والوں کی دلداری فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں بناتے تھے، ہر قوم کے معزز آدمی کا اکرام فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اپنی قوم پر متولی اور سردار مقرر فرمادیتے، لوگوں کو (عذابِ الٰہی وغیرہ سے) ڈراتے، اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے، لیکن اس کے باوجود کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے، اپنے ساتھیوں کی خبر گیری فرماتے، لوگوں کے حالات اور آپس کے معاملات کی تحقیق فرماتے (پھر ان کی اصلاح فرماتے) اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور اس سے روکتے، حضور اکرم ﷺ ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے اور آپ ﷺ متلون مزاج نہیں تھے کہ کبھی کچھ فرما دیا اور کبھی کچھ، لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے۔ کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا دین سے اکتا جائیں، ہر کام کے لیے آپ ﷺ کے ہاں ایک خاص انتظام تھا، امرِ حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے اور نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے، بہترین مخلوق ہوتے تھے، آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو اور آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا جو مخلوق کی غمگساری اور امداد میں زیادہ حصہ لے،

حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے حضورِ انور ﷺ کی مجلس کے

حالات دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے، اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے، آپ ﷺ حاضرین میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس کا ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرمارہے ہیں، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب دیتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی، آپ ﷺ ان کے (شفقت میں) باپ تھے اور تمام لوگ (حقوق میں) آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھے، آپ ﷺ کی مجلس، علم وحیاء اور صبر وامانت کی مجلس تھی، نہ اس میں شور وشغب ہوتا تھا اور نہ کسی کی عزت وآبرو اتاری جاتی تھی، ایک دوسرے پر فضیلت تقوی کی وجہ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے اور اہل حاجت کو ترجیح دیتے تھے اور اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے، حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے حضورِ اقدس ﷺ کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ طرز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ متصف رہتے تھے، آپ ﷺ نرم مزاج تھے، آپ ﷺ نہ سخت گو تھے اور نہ سخت دل تھے اور نہ آپ ﷺ چلا کر بولتے تھے اور نہ فحش گوئی اور بدکلامی فرماتے تھے اور نہ عیب گیر تھے اور نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے تھے، آپ ﷺ ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے اور دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ ﷺ کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور اس کا جواب بھی نہ دیتے تھے، آپ ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ ﷺ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا، ریا کاری سے (جبکہ شمائل ترمذی میں المراء (جھگڑے) کا ذکر ہے) اور کثرتِ کلام سے (شمائل میں اکبار (تکبر) کا ذکر ہے) اور فضول باتوں سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت فرماتے، نہ کسی پر عیب لگاتے اور

نہ کسی کے عیوب تلاش کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف وہی کلام فرماتے تھے جو اجر و ثواب کا باعث ہو، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو حاضرین مجلس اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو جاتے تب وہ حضرات بات کرتے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی بات میں نزاع نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اس کے فارغ ہونے تک سب خاموش رہتے، ہر شخص کی بات (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو، جس بات سے سب ہنستے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہنستے اور جس بات سے سب لوگ تعجب کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تعجب کرتے، اجنبی مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے سوال پر صبر فرماتے، حتیٰ کہ بعض صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس اقدس میں مسافروں کو لے کر آتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو اور اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو قبول (گوارا) نہ فرماتے، البتہ اگر کوئی شخص بطور شکریہ اور ادائے احسان کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکوت فرماتے، کسی کی بات نہ کاٹتے تھے کہ دوسروں کی بات کاٹ کر اپنی شروع فرما دیں البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اس کو روک دیتے یا مجلس سے کھڑے ہو جاتے (تا کہ وہ خود ہی رُک جائے)

سفیانؒ کے علاوہ دوسرے راوی جمیع کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں: جب کسی سے ناراض ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے اور جب خوش ہوتے تو (حیاء کی وجہ سے) اپنی آنکھیں گویا بند کر لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ تر ہنسی تبسم میں ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَولوں کی طرح سفید دندان مبارک سے مسکراتے تھے۔

حضرت حسنؓ بن علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے......الخ (اس کے بعد مذکورہ حدیث بیان فرمائی) اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر نشست و برخاست اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود

بھی کسی جگہ کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرماتے تھے اور دوسروں کو کوئی جگہ مخصوص کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والوں میں سے کوئی بھی یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ (آپ ﷺ کے نزدیک) معزز ہے، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہی خود اٹھنے کی ابتداء کرے، اور فرمایا کہ آپ ﷺ کی مجلس میں کسی کی بے حرمتی نہیں کی جاتی تھی، اور نہ ہی کسی کی لغزشوں کو آشکارا کیا جاتا تھا، آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے، ایک دوسرے کو تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی جاتی تھی، اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے تین باتوں کو اپنی ذات سے دور کر رکھا تھا، جھگڑے سے، کثرتِ کلام سے اور فضول باتوں سے۔

حدیث میں مذکور لفظ "کان فخماً مفخماً" کا معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عظیم المرتبت تھے، لوگوں کی نگاہوں اور ان کے دلوں میں باعظمت تھے، اس سے جسمانی فخامت مراد نہیں ہے۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں: "الفخامة" کہتے ہیں ایسی عظمت و وقار کو جو حسن و ہیبت کے ساتھ ہو اسی طرح یہاں "اطول من المربوع" کا لفظ آیا ہے، کلام عرب میں "المربوع" اور "الرابعة" متوسط قد کے آدمی کو کہتے ہیں، اور "المشذب" بہت زیادہ دراز قد کے آدمی کو کہتے ہیں، "تشذیب" کا اصل معنی تفریق کا ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "شذبت المال" یعنی میں نے مال کو متفرق کیا، لہٰذا زیادہ دراز قد شخص ایسا ہے جیسے اس کی خلقت متفرق ہو، مجتمع نہ ہو۔ اسی طرح حدیث ہذا میں "ان انفرقت عقیقته فرق" کا لفظ آیا ہے۔ عقیقة دراصل ولادت کے وقت نومولود کے بدن پر موجود بالوں کو کہتے ہیں، اس کو عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان بالوں کو مونڈ دیا جاتا ہے، کیونکہ "العقّ" کا اصل معنی ہے شق کرنا اور قطع کرنا، اور اسی لیے اس ذبیحہ کو بھی جو بوقت ولادت ذبح کیا جاتا ہے عقیقہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا گلہ کاٹا جاتا ہے اور شق کیا جاتا ہے، پھر ان بالوں کے بعد اُگنے والے بالوں پر بھی بطور استعارہ کے عقیقہ کا لفظ بول دیا جاتا ہے، یہاں یہی معنی مراد ہے، راوی فرماتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے سر مبارک کے بالوں میں خود ہی

مانگ نکل آتی تو آپ ﷺ اس مانگ کو رہنے دیتے ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے بلکہ اس کو اپنی حالت میں چھوڑ دیتے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ لفظ **عقیقہ** کا اطلاق صرف ان بالوں پر ہوتا ہے جو ابھی مونڈے نہ گئے ہوں، لیکن جب ان بالوں کو مونڈ لیا گیا ہو اور پھر دوسرے بال اُگ آئے ہوں تو اس پر **عقیقہ** کا لفظ نہیں بولا جاتا، آپ ﷺ کے بال مبارک کا نام عقیقہ اس لیے ہے کہ آپ ﷺ کے وہ بال آپ ﷺ کے سر مبارک پر ہی رہے تھے، یہ منقول نہیں ہے کہ بچپن میں ان کو مونڈ دیا گیا ہو۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "**ان انفرقت عقیصة فرق**"**عقیصة** گوندھے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں اور "**مضفور**" کا بھی تقریباً یہی معنی ہے۔ اور "**وفرة**" کان کی لو تک کے بالوں کو کہتے ہیں، اور "**جمة**" ان بالوں کو کہتے ہیں جو کندھوں تک ہوں اور "**لمّة**" ان بالوں کو کہتے ہیں جو کندھوں سے بڑھے ہوئے ہوں۔ اور "**ازهر اللون**" کا معنی ہے روشن و چمکدار رنگ، کیونکہ "**زهرة**" کہتے ہیں سفید چمکدار رنگ کو، اور یہ سب سے خوبصورت رنگ ہے، اسی طرح حدیث میں مذکور لفظ "**بینهما عرق یدرّہ الغضب**" کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت خون سے بھر جاتی، جیسے کہتے ہیں: "**درت العروق**" یعنی رگیں خون سے بھر گئیں، اور جس طرح کہا جاتا ہے: "**در الضرع**" یعنی تھن دودھ سے بھر گیا۔ اور یہاں پر "**کث اللحیة**" کا لفظ بھی وارد ہے، **کثوثة اللحیة** (داڑھی کا گنجان ہونا) یہ ہے کہ نہ وہ لمبی ہو اور نہ باریک بلکہ اس میں کثافت (گنجان پن) ہو۔ اور "**ضلیع الفم**" کہتے ہیں کشادہ دہن کو، اہل عرب اس کو پسند کرتے تھے، اور منہ کے چھوٹے ہونے کو ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کی گفتگو کی صفات میں "**یفتتح الکلام و یختتمه باشداقه**" آیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کشادہ دہنی میں آپ ﷺ کے دندان مبارک کی مضبوطی اور ہمواری ہے، اور "**مفلج الاسنان**" سے مراد دانتوں کا فصل ہے، اور "**فلج**" کہتے ہیں ثنایا اور رباعیات کے درمیان کشادگی کو، اور اس

جگہ "دقیق المسربۃ" کا لفظ بھی آیا ہے، "مسربۃ" ان باریک بالوں کو کہتے ہیں جو سینہ اور ناف کے درمیان ہوتے ہیں، جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہے کہ وہ سینہ سے ناف تک کے بال ایک باریک لکیر کی طرح تھے۔ اور یہاں "عاری الثدیین" کا لفظ ہے جبکہ ایک روایت میں "عاری الثندوتین" کا لفظ وارد ہے، مطلب یہ ہے کہ اس جگہ پر کوئی بال نہ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پر گوشت زیادہ نہیں تھا۔ اسی طرح حدیث ہذا میں یہ الفاظ آئے ہیں: "کان عنقہ جیدٌ دمیۃ" دمیہ کہتے ہیں تراشی ہوئی صورت کو اس کی جمع "دُمی" آتی ہے۔ اسی طرح یہ جو الفاظ ہیں: "بادن متماسک" اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے، اس سے مراد بدن کی فخامت یا جسم کا موٹاپن نہیں ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد یہ جملہ ہے: "سواء البطن والصدر" یعنی پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا۔ اور "ضخم الکرادیس" کا معنی ہے اعضاء کا کلاں اور قوی ہونا۔ اور "انور المتجرد" کا معنی یہ ہے کہ آپ کا بدن مبارک روشن اور چمکدار تھا اور "المتجرد من جسدہ" کا مطلب ہوتا ہے جس کے بدن سے کپڑے اتارے گئے ہوں اور "انور" کا معنی ہے روشن و چمکدار۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ" (الروم: ۲۷) یعنی آپ ﷺ پر آسان ہے۔ اور "رحب الراحۃ" کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں فراخ تھیں، اور "شثن الکفین" کا معنی ہے دونوں ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ "سائل الاطراف" کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں، اور یہ روایت "سائل" سین کے ساتھ ہے، جبکہ بعض حضرات اس کو "ساین" نون کے ساتھ روایت کرتے ہیں، دونوں کے معنی ایک ہیں، جیسے جبریل اور جبرین کے معنی ایک ہیں۔ اسی طرح حدیث ہذا میں لفظ "خمصان الاخمصین" کا لفظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تلوے قدرے گہرے تھے کہ چلتے وقت وہ تلوے زمین پر نہیں لگتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تلوے زمین سے بہت دور رہتے تھے۔ اور "مسیح

القدمین" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک صاف ستھرے تھے ان پر کوئی میل یا پھٹن وغیرہ نہ تھی، اس لیے جب پانی ان پر پڑتا تو فوراً ڈھل جاتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پاؤں کی ملامست اور ملائیت ہے۔ اسی طرح حدیث ہذا میں یہ الفاظ ہیں: "اذا زال، زال قلعا" یہ لفظ "قلعا" قاف کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ قوت سے قدم اٹھاتے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے تھے، اور یہاں "یخطو تکفیاً" کے الفاظ ہیں، جبکہ ایک روایت میں "تکفوءً" کا لفظ ہے۔ نشیب جگہ میں اترنا، آگے کی طرف جھکنا اور زمین پر قوت سے قدم اٹھانا سب کا معنی ایک دوسرے کے قریب قریب ہے، اور مراد اس سے دونوں پاؤں اٹھا کر اور ذرا قدم کشادہ رکھ کر قوت کے ساتھ چلنا ہے، اس شخص کی طرح نہیں جو اتراہٹ اور تکبر کے ساتھ چلتا ہے، یہ رفتار مردوں کے لیے پسندیدہ ہے۔ اسی طرح حدیث میں مذکور لفظ "ذریع المشیة" کا معنی ہے کہ آپ ﷺ تیز رفتار تھے، قدم کشادہ رکھتے تھے، آپ ﷺ کی رفتار ایسی نہ تھی کہ جس سے ظاہر ہو کہ آپ ﷺ کو کسی کام کی بہت جلدی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی صفات میں فرمایا گیا ہے: "ویمشی هونـاً" کہ آپ ﷺ نرمی سے چلتے تھے، "هـون" کا معنی ہے نرمی اختیار کرنا، اور مضبوطی اختیار کرنا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یَمْشُوْنَ عَلَی الاَرْضِ هَوْناً" (الفرقان: ۶۳) امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ وہ وقار اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں۔ نیز اس پر حدیث ابی ہریرہؓ بھی دلالت کرتی ہے، فرمایا: "انا لنجهد انفسنا وانه لغیر مکترث"۔

نیز حدیث ہذا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: "اذا التفت التف جمعًا" اور ایک روایت میں "جمیعًا" کا لفظ ہے، مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کسی طرف توجہ فرماتے تو کسی چیز کو دیکھنے کے لیے دائیں بائیں اپنی گردن نہیں موڑتے تھے، کیونکہ ایسی حرکت تو ناسمجھ اور کم عقل آدمی ہی کیا کرتا ہے، مگر آپ ﷺ جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پوری توجہ فرماتے اور پشت فرماتے تو بھی پوری پشت فرماتے۔ اسی طرح

''جل نظره الملاحظة'' کا یہاں لفظ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی چیز کی طرف ترچھی نگاہ کے ساتھ گوشۂ چشم سے دیکھے، بہرحال کنپٹی کے ساتھ ملا ہوا آنکھ کا کنارہ ''ملاحظہ'' کہلاتا ہے اور ناک کے ساتھ آنکھ کا کنارہ ''موق'' اور ''ماق'' کہلاتا ہے، اور ''یتکلم بجوامع الکلم'' سے مراد یہ ہے کہ الفاظ کم ہوتے مگر ان کے معانی ومضامین بہت زیادہ ہوتے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اوتیت جوامع الکلم'' جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث کے اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ مجھے قرآن عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کے قلیل الفاظ میں کثیر معانی کو جمع فرمادیا ہے، اسی طرح حدیث میں مذکور لفظ ''لیس بالجافی ولا المھین'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خلقۃً سخت مزاج تھے اور نہ قصیر تھے، جیسا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ''لیس بالطویل البائن ولا القصیر'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ دراز قد تھے اور نہ کوتاہ قد، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کے ذیل میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''لیس بالطویل الممغط والا القصیر المتردد'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ زیادہ پست قد، نیز یہاں پر ایک روایت ''ولا المھین'' میم کے فتح کے ساتھ بھی ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی تذلیل نہ کرتے تھے اور نہ زیادتی کرتے تھے۔ اور ''لم یکن یذمّ ذواقاً'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے پینے کی چیزوں کی مذمت نہ فرماتے تھے، ''ذواقاً'' کا لفظ ان چیزوں پر بولا جاتا ہے جو چکھی جاتی ہیں اور اسی طرح جو چیزیں کھائی یا پی جاتی ہیں، یہ (ذواق) فعال کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے۔

اسی طرح ''اذا غضب اعرض واشاح'' کا معنی ہے غصہ کے وقت رخ مبارک پھیر لیتے تھے، اور ''ثم جزّأ جزأه بینه وبین الناس'' کا معنی یہ ہے کہ ایسے وقت میں عام لوگ حاضرِ خدمت نہیں ہوتے تھے بلکہ خاص حضرات حاضر ہوتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علوم ومعارف سن کر ان کو بتا دیا کرتے تھے، پس گویا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خواص کے ذریعہ عام لوگوں کو فوائد پہنچاتے تھے، جب کہ بعض کہتے ہیں کہ ''بالخاصة'' سے مراد ''من الخاصة'' ہے یعنی مخصوص حضرات کے وقت کے بعد عام لوگوں کے لیے وقت مقرر فرماتے، پس جب ان کا وقت پورا ہو جاتا تو پھر خواص کو چھوڑ کر عام لوگوں کو مستفید فرماتے۔ اور یہاں پر ''یدخلون روّادًا'' کا لفظ بھی ہے، رواد جمع ہے رائد کی، جس کا معنی ہوتا ہے طالب، مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں علم کے طالب بن کر اور آپ ﷺ سے احکامات کی طلب میں حاضر ہوتے تھے۔ اور ''لا یفترقون الا عن ذواق'' میں لفظ ذواق کا اصل تعلق تو کھانے سے ہے لیکن یہاں حصول خیر کے معنی میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ صحابہؓ حضور ﷺ کے پاس سے علم سیکھ کر ہی لوٹتے تھے جو ان کے لیے کھانے اور پینے کے قائم مقام ہے۔ اور ''لاتؤبن فیه الحرم'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں بُری باتوں کا ذکر نہیں ہوتا تھا، آپ ﷺ کی مجلس فحش گوئی اور بدکلامی سے پاک تھی، جیسا کہ حدیث الافک کے تحت آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''اشیروا علی فی اناس ابنوا اهلی'' یعنی جن لوگوں نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی ہے ان کے متعلق مجھے مشورہ دو، لفظ ''الابن'' کا معنی تہمت والزام کا ہوتا ہے۔ نیز حدیث ہذا میں ایک اور جملہ ہے: ''لا یقبل الثناء الا من مکافئ'' قتیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کسی پر کوئی احسان کرتے اور وہ آپ ﷺ کی تعریف کر کے اس کا بدلہ دیتا تو اس کو قبول فرما لیتے لیکن اگر کوئی شخص کسی احسان کے بغیر تعریف کرتا تو گوارا نہ فرماتے تھے۔ ابوبکر الانباریؒ کہتے ہیں کہ یہ معنی ٹھیک نہیں ہے، اس لیے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کوئی بھی آدمی آپ ﷺ کے انعام واحسان سے خالی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معبوث فرما کر ہر ایک پر رحم فرمایا اور برائی سے چھڑایا ہے، لہٰذا یہ نعمت سب پر سابق ہے، کوئی بھی اس سے خارج نہیں ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی

ثناء فرض ہے اسلام اس کے بغیر نامکمل ہے، بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اسی آدمی کی تعریف کو قبول فرماتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اسلام کی حقیقت کو پہچانتا ہو اور منافقین کے گروہ میں داخل نہ ہو جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی تھیں، چنانچہ جب ثناء خواں ایسی صفت کا حامل ہوتا تو اس کی تعریف کو قبول فرما لیتے تھے اور وہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سابقہ احسان و انعام کا بدلہ ادا کرتا تھا، امام از ہریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی میں اعتدال اختیار کرتا تھا کہ نہ تو تعریف میں حد سے تجاوز کرتا اور نہ خدا تعالیٰ کے عطا کردہ درجات میں کوتاہی کرتا تو اس کو قبول فرما لیتے تھے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری تعریف میں ایسا مبالغہ مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ ان کو خدا بنا لیا) البتہ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہو۔'' لہٰذا جب اللہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ امت میں کسی اور کو اسکے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں، پس یہ ہے کہ ایسی مدح کرنا جس کا بدلہ دیا گیا ہو۔ اور ''و لا تنثی فلتاته'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں کسی کی غلطیوں یا لغزشوں کی تشہیر اور اشاعت نہیں ہوتی تھی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اگر کسی میں کوئی خامی و کوتاہی ہو تو اس کو آشکارا کیا جائے، اور حدیث ہذا میں ایک جملہ یہ ہے ''یفتر عن مثل حب الغمام'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قہقہہ کے بغیر دانت ظاہر ہوتے تھے، ''یفتر'' کا لفظ فررت من الدابة سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چوپائے کے دانت ان کی عمر جاننے کے لیے دیکھنا۔ اور ''حبّ الغمام'' سے مراد اولے ہیں۔ یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانتوں کی سفیدی کو اولوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

☆ حضرت ابراہیم بن محمدؒ جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے

ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ دراز قد تھے اور نہ زیادہ پست قد بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد لوگوں میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے اور نہ بالکل سیدھے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موٹے بدن کے تھے اور نہ گول چہرے کے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ میں تھوڑی سی گولائی تھی (یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا اور نہ بالکل لمبا، بلکہ دونوں کا درمیان تھا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، اور پلکیں دراز، جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں، (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں اور قدم مبارک پُر گوشت تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ نشیب میں اتر رہے ہوں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیوں کے ختم کرنے والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی دل تھے، اور سب سے زیادہ سچی زبان والے تھے، اور سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا، البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا وہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جملیہ کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب بنالیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا باجمال و باکمال نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ابوعیسیٰؒ کہتے ہیں: میں نے ابوجعفر محمد بن الحسینؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے (امام لغت) امام اصمعیؒ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (مذکورہ) اوصاف کی تفسیر کرتے ہوئے سنا

کہ "الممغّط" کہتے ہیں وہ شخص جو بہت زیادہ دراز قد ہو۔ یہ لفظ غین معجمہ (نقطہ دار) کے ساتھ ہے، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ عین اور غین دونوں طرح ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "امعط النهار" یعنی دن دراز ہوگیا۔ نیز کہا جاتا ہے۔ "امعط الحبل وامغط" اور "المتردّد" اس شخص کو کہتے ہیں جو گٹھا ہوا اور پست قد ہو اور "القطط" اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے بال نہایت پیچدار ہوں اور "الرّجل" اس کو کہتے ہیں جس کے بالوں میں قدرے پیچیدگی ہو، یعنی تھوڑے سے مُڑے ہوئے ہوں۔ اور "المطهّم" کہتے ہیں اس کو جو بہت زیادہ بھاری بدن اور موٹا ہو اور "المکلثم" اس شخص کو کہتے ہیں جس کا چہرہ گول ہو جبکہ بعض کہتے ہیں کہ "المکلثم" اس کو کہیں گے جس کی ٹھوڑی چھوٹی ہو، پیشانی جھکی ہوئی ہو اور چہرہ گول ہو اور یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب گوشت زیادہ ہو۔ اور "المشرب" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے سفید رنگ میں سرخی بھی ہو اور "الادعج" اس کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں نہایت سیاہ ہوں اور "الاهدب" دراز پلکوں والے کو کہتے ہیں۔ اور "الکتد" کہتے ہیں دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ کو اور "الکاهل" بھی اسے ہی کہتے ہیں۔ اور "المسربة" ان باریک بالوں کو کہتے ہیں جو سینہ سے ناف تک ہوتے ہیں۔ اور "ألشّثن" ہاتھوں اور قدموں کے پُر گوشت ہونے کو کہتے ہیں۔ اور "التّقلّع" قوت سے چلنے کو کہتے ہیں اور "الصبب" نشیبی جگہ کو کہتے ہیں، اور "جليل المشاش" سے مراد مونڈھوں اور ہڈیوں کے سروں کا موٹا ہونا ہے، "مشاش" دراصل ہڈیوں کے سروں کو کہتے ہیں، جیسے گھٹنے اور کہنیاں۔ اور "العشرة" سے مراد رہن سہن ہے اور "العشير" رہن سہن رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ اور "البديهة" کا معنی ہے یکا یک اور اچانک، جیسے کہتے ہیں: "بدهته بامر" یعنی میں اچانک آیا۔

﴿نبوت کی علامات﴾

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه عَلَی الدِّیْنِ کُلِّه﴾ (التوبۃ: ۳۳)

''وہ ذات جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تمام ادیان پر اس طرح غالب کیا ہے کہ ہر سننے والے شخص کے لیے اس کے حق ہونے کو بیان کردیا اور جن ادیان نے ان کی مخالفت کی وہ باطل ہے، اور پیغمبر کو اس طرح غالب کیا کہ دین دو طرح کے ہیں، ایک اہل کتاب کا دین، دوسرا امیین کا دین۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ امیوں پر غالب آئے حتیٰ کہ وہ خوشی وناخوشی دین اسلام کے تابع ہوئے اور جو اہل کتاب میں سے تھے ان میں بعض کو قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا یہاں تک کہ بعضے تو دینِ اسلام کے تابع ہو گئے اور بعضوں نے ذلیل ہو کر جزیہ دینے کو قبول کیا، اور ان پر حضور علیہ السلام کا حکم جاری ہوا، اس طرح آنحضرت ﷺ علیہ وسلم کا تمام ادیان پر غلبہ ہوا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَه بَعْدَ حِیْنٍ'' (ص: ۸۸)

یعنی ''جو بعد میں زندہ رہیں گے ان کو حضور ﷺ کے غالب ہونے کا علم ہو جائے گا۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِیُظْهِرَه عَلَی الدِّیْنِ کُلِّه﴾

اور ''جو فوت ہوگا اس کو یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے گی۔''

اور فرمایا:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ (البقرہ: ۲۳)

یعنی ''اگر تم اس چیز کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری تو تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔''

نیز فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ (الاسراء: ۸۸)

یعنی ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیجئے کہ اگر تمام انس وجن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے۔''

اللہ جل شانہٗ نے قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل قرار دیا، ساری مخلوق اس جیسا قرآن یا اس جیسی ایک سورت بھی لانے سے عاجز وقاصر کر دیا، اور اس کو قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں باقی رکھا تاکہ قیامت تک آنے والے وہ لوگ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا اور بعد میں آئے ان پر حجت ہو جائے۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبریلؑ اس وقت آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت جبریلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ کر چت لٹا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کے قریب سے چاک کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا، اور کہا کہ یہ تمہارے جسم کے اندر شیطان کا حصہ ہے، اس کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو ایک سونے کی لگن میں زمزم کے پانی سے دھویا، پھر دل کو اس کی جگہ رکھ کر سینۂ مبارک کو اوپر سے برابر کر دیا۔ اور (وہ) بچے بھاگے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ (حلیمہؓ) کے پاس آئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار ڈالا گیا ہے، وہ اس جگہ پہنچے جہاں

حضور ﷺ موجود تھے، انہوں نے آنحضرت کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کا رنگ بدلا ہوا تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے سینۂ مبارک پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔ (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

حدیث میں مذکور لفظ "منتقع اللون" کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کا رنگ بدلا ہوا تھا، انتقع اور ابتسر کا ایک ہی معنی ہے، جیسے ارشادِ الٰہی ہے: "وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ" (القیامۃ: ۲۴) یعنی اس دن کچھ چہرے مرجھائے ہوں گے"۔

☆ حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں ظہور نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اس کو (خوب) پہچانتا ہوں۔" (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم مکہ سے باہر اس کے اطراف میں پہاڑوں اور درختوں کے درمیان نکلے تو حضور ﷺ درخت اور پہاڑ کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ۔" یعنی اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ پر سلام۔" (هذا حديث غريب)

☆ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ ان کو کوئی نشانی (معجزہ) دکھائیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔" (هذا حديث متفق على صحته)

منکرینِ حدیث کی ایک جماعت اس امر کو محال سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر حقیقت میں ایسا ہوا ہوتا تو تمام لوگوں پر یہ مخفی نہ ہوتا اور تمام مؤرخین اس کو تواتر کے ساتھ نقل کرتے اور کتابوں کا اس میں ذکر ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس معجزہ کا وقوع کچھ خاص لوگوں کے مطالبہ پر ہوا تھا، اور ان ہی کو یہ کرشمہ دکھانا اور لاجواب کرنا مقصود تھا، علاوہ ازیں یہ رات کے وقت کا واقعہ ہے جبکہ اکثر لوگ محوِ خواب ہوں گے، اور اس

لحاتی کرشمہ کا تمام لوگ کیسے مشاہدہ کر سکتے ہیں؟ جیسا کہ جب چاند گرہن ہوتا ہے تو اس وقت کچھ خطوں میں نظر آتا ہے اور کچھ خطوں میں نظر نہیں آتا، بہت سے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہو پاتی۔ علاوہ ازیں، یہ کہ اگر یہ نشانی دائمی طور پر رہتی کہ تمام عوام وخواص اس کو دیکھتے اور پھر ایمان نہ لاتے تو سب کو جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا اور سب ہلاک کر دیئے جاتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سابقہ امتوں میں یہ سنت رہی ہے کہ جب سابقہ کوئی نبی کوئی ایسی نشانی لاتا جس کا تمام لوگ مشاہدہ کرتے اور پھر ایمان نہ لاتے تو ان کو ہلاک کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

﴿اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْ اُعَذِّبُه عَذَاباً لَّا اُعَذِّبُه اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ﴾ (المائدہ: ۱۱۵)

''بے شک میں اس کو تم پر اتارنے والا ہوں، پس جو تم میں سے اس کے بعد کفر کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ جہاں بھر میں کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا۔''

اسی حکمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کو تمام لوگوں پر ظاہر نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم لوگ یہاں پر میرے قبلہ کو دیکھتے ہو، خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہوتا ہے، بلاشبہ میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔'' (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں: ہم (صحابہؓ) تو نشانیوں کو برکت (اور خوشحالی) کا سبب سمجھتے تھے اور (اے لوگو) تم ان کو بس ڈرانے کے لیے سمجھتے ہو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ پانی کی قلت کا مسئلہ پیش آ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ بچا ہوا پانی ہو تو اس کو دیکھ کر میرے پاس لاؤ، چنانچہ صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسا برتن لے کر آئے جس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس برتن میں ڈال دیا، پھر فرمایا: جلدی سے آؤ اور یہ پاک اور بابرکت پانی

حاصل کرو اور یہ وہ برکت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی فوارہ کی طرح ابل رہا ہے، اور ہم کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن "زوراء" لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس برتن میں اپنا دست مبارک رکھا تو پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے فوارہ کی طرح ابلنے لگا، چنانچہ لوگوں نے وضو کیا، حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ اس وقت تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا: تین سو یا تین سو کے قریب۔ (هذا حديث متفق على صحته)

اور یہ بھی ایک نشانی اور معجزہ تھا، بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے زیادہ افضل ہے جن کی ضرب سے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے، اس لیے کہ پتھروں سے پانی نکلنا یہ پتھر کی طبیعت میں داخل ہے لیکن اعضاء انسانی کی طبیعت میں یہ چیز نہیں ہے۔

☆ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز لوگوں کو سخت پیاس کا سامنا کرنا پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک لوٹا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وضو کیا، پھر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں کیا ہوا؟" انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس اتنا پانی بھی نہیں ہے جس سے ہم وضو کر سکیں اور نہ ہم پانی پی سکتے ہیں۔ سوائے اس کے جو آپ کے کوزے میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کوزے میں اپنا دست مبارک رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی ابلنے لگا، جیسے چشمے جاری ہو گئے ہوں۔ چنانچہ ہم نے (وہ پانی) پیا اور ہم نے وضو کیا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ اس دن تم کتنے افراد تھے؟ انہوں نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا ہے، ویسے اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی، (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لشکر کے ساتھ نکلے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی راستہ میں تھے تو کسی ضرورت کے لیے پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ وضو کا برتن لے کر پیچھے رہا، ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حاجت پوری فرمائی پھر میرے پاس آئے تو میں نے اس وضو کے برتن سے پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انڈیلا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا، اور پھر مجھ سے فرمایا: اس برتن کو حفاظت سے رکھنا، ہوسکتا ہے اس بچے ہوئے پانی سے کوئی بات ظاہر ہو۔ (راوی) کہتے ہیں کہ پھر لشکر روانہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ لوگ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اطاعت کریں گے تو اپنی جانوں کے ساتھ نرمی کریں گے اور اگر ان کی نافرمانی کریں گے تو اپنی جانوں پر سختی کریں گے۔'' (راوی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ پانی والی جگہ پر ہی پڑاؤ ڈالیں لیکن دوسرے لوگوں نے کہا: بلکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد تک یہیں پڑاؤ ڈالیں گے، چنانچہ انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا، (راوی) کہتے ہیں ک ہم ان کے پاس دوپہر کے وقت پہنچے اور وہ پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو رہے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کا وہ برتن منگوایا، پس میں وہ برتن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں کچھ دیر لگائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لیے وہ پانی انڈیلنے لگے، چنانچہ سب نے پانی پیا حتیٰ کہ سب سیر ہو گئے اور سب نے وضو بھی کیا اور جن کے پاس جو جو برتن تھے وہ بھی بھر لیے، یہاں تک آپ کہنے لگے: کیا کوئی مال ہے؟ (راوی) کہتے ہیں کہ وہ برتن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے پہلے لیا تھا ویسا ہی ہے اور اس دن لوگوں کی تعداد بہتّر (۷۲) تھی۔

☆ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ ایک سفر میں روانہ ہوئے، (راوی) کہتے ہیں کہ ان کو سخت پیاس کا سامنا کرنا پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو آدمی بھیجے (راوی) کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو یا کسی اور کو بھیجا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں فلاں جگہ پر ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک اونٹ ہوگا جس پر دو مشکیزے ہوں گے، اس عورت کو تم میرے پاس لاؤ، چنانچہ وہ دونوں اس عورت کے پاس پہنچے تو اس کو

اسی حالت میں پایا کہ وہ ایک اونٹ پر سوار تھی اور اس کے پاس دو مشکیزے تھے، انہوں نے اس عورت سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مانو: وہ کہنے لگی: کون رسول اللہ ﷺ؟ وہ جو مذہب تبدیل کرنے والے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں وہی شخص جو تم سمجھ رہی ہو، جب کہ وہ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں، چنانچہ وہ حضرات اس عورت کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے، حضور ﷺ نے حکم دیا تو اس کے مشکیزوں سے کچھ پانی لے کر ایک برتن میں ڈالا گیا پھر اس میں وہ پڑھا جو اللہ نے چاہا کہ آپ ﷺ پڑھیں، پھر پانی کو ان دو مشکیزوں میں واپس ڈال دیا، پھر آپ ﷺ نے ان مشکیزوں کے منہ (کھولنے) کا حکم دیا، مشکیزوں کا منہ کھولا گیا، پھر لوگوں کو حکم دیا، چنانچہ لوگوں نے اپنے برتن اور اپنے مشکیزے بھر لیے، اس دن لوگوں نے کوئی برتن اور مشکیزہ بھرے بغیر نہیں چھوڑا، عمرانؓ کہتے ہیں کہ حتیٰ کہ مجھے یوں لگا جیسے وہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اس عورت کے لیے کپڑے کے بچھانے کا حکم دیا تو وہ بچھایا گیا، پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا تو وہ اپنا زاد راہ (توشہ) لے کر آئے اور اس کے لیے اس کے کپڑے کو بھر دیا، پھر آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: ''چلی جاؤ، ہم نے تیرے پانی میں سے کچھ نہیں لیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیراب کیا۔'' پس وہ عورت اپنے گھر آئی اور ان سے کہنے لگی: میں تمہارے پاس ایسے شخص کے پاس سے آئی ہوں جو تمام لوگوں سے زیادہ سحر (جادو) والا ہے یا یہ کہ وہ سچا خدا کا پیغمبر ہے، چنانچہ اس گھر کے تمام لوگ حاضر ہوئے اور سب نے اسلام قبول کر لیا۔

(هذا حديث متفق على صحته)

حدیث میں مذکور لفظ ''المزادة'' کا معنی توشہ دان ہے، جسے لوگ ''الراوية'' کہتے ہیں اور ''الراوية'' اصل میں اس اونٹ وغیرہ کو کہتے ہیں جس پر پانی لاد کر لایا اور اور لوگوں کو پلایا جائے، اور ''المزادة'' کا بھی یہی معنی ہے، اور ''السطيحة'' کا معنی بھی ''المزادة'' کے قریب ہے، البتہ یہ ''المزادة'' سے چھوٹا ہوتا ہے اور وہ چمڑے کا ہوتا ہے اور المزادة بڑا ہوتا ہے۔ اور اہل عرب کے نزدیک (حدیث میں مذکور لفظ) الصابئ اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے، مشرکین، مسلمان ہو

جانے والے شخص سے کہتے تھے کہ تم صابی ہو گئے ہو، اور حدیث میں مذکور لفظ ''عزلاء'' کا معنی ہے مشکیزہ کا نچلا دہانہ جس سے پانی وافر مقدار میں نکلتا ہے۔ اور ''الحواء'' گھروں کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو پانی والی جگہ پر موجود ہوں، اس کی جمع احویۃٌ آتی ہے۔ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے برتن اس وقت تک پاک ہوں گے جب تک کہ ان کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے سے پانی پیاس کی شدید ضرورت کے وقت بالمعاوضہ لینا جائز ہے جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس عورت کو وہ زادِ راہ اس کے پانی کے عوض میں دیا۔

☆ حضرت یعلیٰؓ بن مرۃ الثقفی فرماتے ہیں کہ میں نے تین چیزیں (معجزے) رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے دیکھے۔ دریں اثناء کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر پر تھے کہ اچانک ہمارا گزر ایک ایسے اونٹ کے پاس سے ہوا جس پر پانی لدا ہوا تھا، جب اس اونٹ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو بڑبڑانے لگا اور اپنی گردن حضور ﷺ کے سامنے رکھ دی، نبی کریم ﷺ اس کے پاس ٹھہرے اور فرمایا: ''اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ پس وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔'' اس نے کہا: نہیں، بلکہ ہم آپ ﷺ کو یہ ہبہ کرتے ہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ اس کو میرے ہاتھ بیچ دو، اس نے کہا: یا رسول اللہ بلکہ ہم یہ آپ ﷺ کو ہبہ کرتے ہیں، کیونکہ یہ اونٹ ایسے گھرانے کا ہے جن کا اس کے سوا اور کوئی گزر بسر نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بہر حال جب تو نے اس کی حقیقت ذکر کی ہے تو سنو، اس نے زیادہ کام لینے اور چارہ کم دینے کی شکایت کی ہے لہٰذا تم اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔'' (راوی) کہتے ہیں کہ پھر ہم وہاں سے چلے اور ایک جگہ پر پڑاؤ کیا تو نبی ﷺ سو گئے تو ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور اس نے آپ ﷺ کو ڈھانک لیا، پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس درخت نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو سلام کرے تو اس کو اس بات کی

اجازت دی گئی۔'' (راوی) کہتے ہیں کہ پھر ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور (راستہ میں) ایک پانی کی جگہ (آبادی) کے پاس سے گزرے تو ایک عورت اپنے بیٹے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئی جسے دیوانگی تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناک سے پکڑا پھر فرمایا: ''نکل جاؤ، بے شک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔'' (راوی) کہتے ہیں کہ پھر ہم آگے چل دیئے، پھر جب ہم اپنے سفر سے واپس لوٹے تو ہمارا گزر اسی پانی کی جگہ سے ہوا تو وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گاجریں اور دودھ لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے اس بچہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے کے بعد اس میں تشویش کی کوئی بات نہیں دیکھی۔''

☆ حضرت مسلمہؓ فرماتے ہیں: لوگوں کے زادِ راہ کم ہو گئے اور وہ محتاج ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی، حضرت عمرؓ کی ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو ساری بات بتائی، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: ان اونٹوں کے بعد پھر تمہارا گزر بسر کیسے ہوگا؟ چنانچہ حضرت عمرؓ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! جب وہ اپنے اونٹ ذبح کر لیں گے تو پھر ان کا ذریعہ زندگی کیا ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ اپنے بچے ہوئے توشے لے آئیں'' چنانچہ اس کے لیے ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور لوگ اس کو اس دستر خوان پر ڈالنے لگے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور دعائے برکت فرمائی پھر لوگوں کو اپنے برتنوں کے ساتھ بلایا، پس لوگوں نے اپنے برتنوں کو بھرا اور سب فارغ ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔'' (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

نیز غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی ایک دستر خوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہوئی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا: اپنے اپنے برتنوں میں لے لو،

چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے برتنوں میں لیا، یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن ایسا نہیں رہا جو بھر نہ لیا گیا ہو، پھر سب نے کھایا اور سیر ہوئے، اور پھر بھی بہت سارا کھانا بچ رہا، پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں اور ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی شخص ان دو گواہیوں کے ساتھ کہ جن میں اس کو کوئی شک و شبہ نہ ہو اللہ تعالیٰ سے جا کر ملے اور پھر اس کو جنت میں جانے سے روکا جائے۔''

☆ حضرت زہریؒ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلتے وقت باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھی، پھر جب سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر کیا اور یہ بات ذکر کی کہ قیامت سے پہلے چند بڑے بڑے امور پیش آئیں گے۔ پھر فرمایا: ''جو شخص کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہو تو پوچھ لے، پس خدا کی قسم! تم مجھ سے جو چیز بھی پوچھو گے میں تمہیں اس کے متعلق بتا دوں گا، جب تک کہ میں اپنی اس جگہ میں موجود ہوں۔'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں: جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات کو سنا تو وہ زار و قطار رونے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ بھی یہی بات بار بار فرماتے رہے کہ ''مجھ سے پوچھ لو، مجھ سے پوچھ لو۔'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں: چنانچہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں کہاں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پھر عبداللہ بن حذافہؓ کھڑے ہوئے اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے'' اس کے بعد پھر حضور ﷺ کثرت سے یہی فرماتے رہے: ''مجھ سے پوچھ لو۔'' (راوی) کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے اور کہنے لگے: ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا پیغمبر مان کر راضی ہوئے، (راوی) کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی تو آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میرے سامنے ابھی اس باغ میں جنت و دوزخ

پیش کی گئی اور میں نماز پڑھ رہا تھا، پس میں نے آج کی طرح اچھی اور بری حالت میں ان کو نہیں دیکھا۔''

زہریؒ کہتے ہیں: مجھے عبداللہ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ عبداللہؓ بن حذافہ کی ماں نے کہا: میں نے تجھ سے زیادہ نافرمان بیٹا نہیں دیکھا، کیا تو اس بات سے با امن ہے کہ تیری ماں نے اہل جاہلیت کی طرح کوئی برائی کی ہو اور تو اس کو سب لوگوں کی نظروں میں رسوا کرے، عبداللہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے کسی سیاہ فام غلام کے ساتھ شامل کر دیتے تو میں اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ابوطلحہ انصاریؓ، ام سلیمؓ سے کہنے لگے کہ (آج) میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں بڑی کمزوری محسوس کی ہے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ ﷺ بھوکے ہیں، کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ ام سلیمؓ نے جواب دیا کہ ہاں کچھ ہے، اور پھر انہوں نے جَو کی چند روٹیاں نکالیں، اور پھر اپنی اوڑھنی لی اور اس کے ایک حصے میں روٹیوں کو لپیٹا اور پھر ان روٹیوں کو میرے ہاتھ کے نیچے چھپا دیا، اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، میں وہ روٹیاں لے کر پہنچا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں تشریف فرما پایا، اور آپ ﷺ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے سب کو سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، پھر رسول کریم ﷺ نے ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ اٹھو۔ (ابوطلحہ کے گھر چلو) اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور وہ تمام لوگ روانہ ہوئے اور میں بھی ان کے آگے چل پڑا، چنانچہ ابوطلحہؓ کے پاس پہنچ کر ان کو خبر دی، ابوطلحہؓ نے کہا، ام سلیمؓ! رسول کریم ﷺ لوگوں کو ساتھ لے کر تشریف لا رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس اتنے سارے آدمیوں کو کھلانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے، ام سلیمؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں، پھر ابوطلحہؓ گھر سے باہر نکلے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ، ابوطلحہؓ کے

ساتھ تشریف لائے اور (گھر پہنچ کر) فرمایا کہ: ام سلیمؓ! جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ۔'' ام سلیمؓ نے وہ روٹیاں جو ان کے پاس تھیں، لاکر رکھ دیں، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ روٹیوں کو توڑ توڑ کر چورا کر دیں، چنانچہ ان روٹیوں کا چورا کیا گیا، اور ام سلیمؓ نے (گھی کی) کپی کو نچوڑ کر گھی نکالا اور اس کو سالن کے طور پر رکھا، اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس روٹی سالن کے بارے میں وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا، پھر فرمایا: دس آدمیوں کو بلاؤ، چنانچہ دس آدمیوں کو بلایا گیا اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، پھر جب وہ دس آدمی اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دس (مزید) آدمیوں کو بلا کر کھلاتے رہو، چنانچہ ان کو بلایا گیا اور انہوں نے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا، پھر فرمایا، دس اور آدمیوں کو بلاؤ، یہاں تک کہ تمام لوگوں نے (اس تھوڑے سے کھانے سے) خوب سیر ہو کر کھایا اور یہ سب ستّر یا اسی آدمی تھے۔ (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد اُحد کی جنگ میں شہید ہوئے تو انہوں نے بہت سا قرض چھوڑا اور چھ بیٹیاں چھوڑیں، جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: آپ ﷺ جانتے ہیں کہ میرے والد اُحد کی جنگ میں شہید ہو گئے ہیں اور انہوں نے بہت سا قرض چھوڑا ہے، میں چاہتا ہو کہ قرض خواہ آپ ﷺ کو (میرے پاس) دیکھیں (یعنی کوئی ایسی صورت ہو کہ جب قرض خواہ میرے پاس آئیں تو آپ ﷺ بھی تشریف فرما ہوں تا کہ کوئی رعایت ہو سکے) آپ ﷺ نے (یہ سن کر) مجھ سے فرمایا: ''تم جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کی الگ الگ ڈھیری بنا لو۔'' چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو بلا لیا، قرض خواہوں نے آنحضرت ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو اس وقت انہوں نے فوراً ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے وہ مجھ پر حاوی ہو گئے ہوں، آنحضرت ﷺ نے جب ان قرض خواہوں کا یہ رویہ دیکھا تو کھجوروں کی سب سے بڑی ڈھیری کے گرد تین بار چکر لگایا پھر ڈھیری پر بیٹھ کر فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ، (جب وہ آ گئے تو) آپ ﷺ کے حکم سے اس ڈھیری میں

سے ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دینا شروع ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا تمام قرض ادا کر دیا، اگر چہ میری خوشی کے لیے یہی کیا کم تھا کہ اللہ تعالیٰ میری کھجوروں سے میرے والد کا تمام قرضہ ادا کر دیتا خواہ اپنی بہنوں کے پاس لے جانے کے لیے ایک کھجور بھی باقی نہ بچتی لیکن اللہ تعالیٰ نے تو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ سے) ساری ڈھیریوں کو محفوظ رکھا اور جس ڈھیری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے میں نے اس کی طرف نظر اٹھائی تو ایسا لگا کہ اس میں سے ایک بھی کھجور کم نہیں ہوئی ہے۔'' (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت اعرجؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ'' (البقرة: ۱۵۹) کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ ابو ہریرۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کرتے ہیں (تو پہلے یہ سمجھو کہ) اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور تم کہتے ہو کہ مہاجرین کو کیا ہوا کہ وہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بہت زیادہ بیان کرتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ انصار اس کثرت سے احادیث بیان نہیں کرتے؟ مہاجرین صحابہؓ کو تو بازاروں کے معاملات مشغول رکھتے تھے، اور انصار صحابہؓ کو ان کی زمینوں نے مصروف کر رکھا تھا اور وہ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے، اور میں ایک مسکین و مفلس شخص تھا، اور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا تھا، جب وہ موجود نہ ہوتے تو میں موجود ہوتا اور جب وہ بھول جاتے تو میں یاد رکھتا تھا، (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے ایک حدیث بیان فرمائی اور پھر فرمایا: ''جو شخص اپنا کپڑا اس وقت تک پھیلائے رہے جب تک میں اپنی بات (دعا) پوری نہ کرلوں اور پھر وہ شخص اپنے کپڑے کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگا لے تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ میری بات (حدیث) کو جو وہ مجھ سے سنے، کبھی بھی بھول جائے، چنانچہ میں نے فوراً اپنا کپڑا پھیلایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے حدیث بیان کی، پھر میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگایا۔ قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوا کوئی ارشاد نہیں بھولا ہوں، اور خدا کی قسم! اگر قرآن پاک کی یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم سے کبھی حدیث

بیان نہ کرتا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ" (البقرة: ۱۸۴)
ساری آیت تلاوت فرمائی۔ (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (مسجد نبوی ﷺ میں) خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے اس سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے جو ایک ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا، پھر جب آپ ﷺ کے لیے منبر تیار ہو گیا اور آنحضرت ﷺ اس پر کھڑے ہوئے تو ستون (کھجور کا تنا) مضطرب ہو گیا اور یوں چلانے لگا جیسے اونٹنی اپنے بچہ کے پیچھے روتی اور چلاتی ہے، یہاں تک کہ تمام مسجد والوں نے اس کی آواز کو سنا، حتیٰ کہ حضور ﷺ منبر سے نیچے اترے اور اس کو گلے لگا لیا تو وہ چپ ہوا۔" (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی تھا، وہ نبی کریم ﷺ کا کاتب تھا اس نے سورۃ البقرۃ اور آل عمران پڑھی تھی، جب وہ آدمی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھتا تو ہم میں بلند رتبہ ہوتا، وہ اسلام سے پھر گیا اور مشرکین سے جا ملا، اور اسی حال میں مر گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "زمین اس کی نعش کو قبول نہیں کرے گی۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے مجھے بتایا کہ وہ اس زمین پر گئے جہاں اس کی موت آئی تھی تو دیکھا کہ وہ باہر پھینکا ہوا ہے، ابوطلحہؓ نے (لوگوں سے) پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے اس کو کئی بار دفنایا مگر زمین نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی مومن پیدا نہیں کیا جس نے میری بات کو سنا ہو لیکن مجھے دیکھا نہ ہو مگر وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہؓ! آپ یہ بات کس طرح جانتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میری والدہ مشرکہ تھیں، میں انہیں قبول اسلام کی تلقین کیا کرتا تھا مگر وہ انکار کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن میں نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے رسول کریم ﷺ کی شان اقدس میں (کوئی نازیبا) بات کہی کہ جو مجھ کو سخت ناگوار ہوئی، پس میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ مشرکہ ہیں

اور میں ان کو قبول اسلام کی دعوت دیتا رہتا تھا مگر وہ انکار ہی کرتی تھیں، (اب کی بار بھی) میں نے جو ان کو قبول اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں ایسی بات مجھے سنائی کہ جو مجھے سخت ناگوار ہوئی، اب تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ میری ماں کو وہ ذات ہدایت عطا فرمائے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت عطا فرما'' میں نبی کریم ﷺ کی دعا کی خوشخبری لے کر دوڑتا ہوا واپس لوٹا اور جب گھر کے دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، اور میری والدہ نے میرے قدموں کی آواز سن لی، انہوں نے کہا: ابو ہریرہؓ! وہیں ٹھہرو، انہوں نے کپڑے پہنے اور مارے جلدی کے دوپٹہ اوڑھے بغیر دروازہ کھول دیا، اور کہا: میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں۔ میں یہ (منظر دیکھتے ہی) خوشی کے آنسو گراتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹا، جیسا کہ اس سے پہلے میں نے غم کی وجہ سے آنسو گرائے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول نہیں فرمائی؟ ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت مل گئی، اب آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری اور میری والدہ کی اپنے مومن بندوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے اور (اسی طرح) میرے اور میری والدہ کے دل میں بھی ان کی محبت پیدا کر دے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اپنے بندے اور اس کی ماں کی اپنے مومن بندوں کے دلوں میں محبت پیدا فرما دے اور ان کی بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا فرما دے۔'' (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت عبداللہ بن عُصمؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاک کرنے والا ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ کذاب سے مراد مختار بن ابی عبید اور ہلاک کرنے والے سے مراد حجاج بن یوسف ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ ان کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ضرور خرچ کرو گے۔ (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسریٰ ہلاک ہوگا، پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے۔ اور قیصر ضرور ہلاک ہوگا، پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا، اور تم ان کے خزانے اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کرو گے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کو دھوکہ کا نام دیا۔ (هذا حديث صحيح)

میں کہتا ہوں کہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ کو دعوتِ اسلام کے لیے مکتوب گرامی لکھا تھا مگر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ کو پھاڑ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی بادشاہت پارہ پارہ ہو۔'' اور قیصر کو بھی دعوتی مکتوب لکھا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب گرامی کا اکرام کیا اور اس کو مشک میں رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی بادشاہت قائم رہے۔'' ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ کسریٰ کی بادشاہت تباہ و برباد ہوئی، چنانچہ ان کے لیے کوئی بادشاہت باقی نہ رہی اور اس کے خزانے راہِ خدا میں خرچ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کی زمین کا مالک بنا دیا، جبکہ قیصر کی بادشاہت روم میں تو قائم رہی لیکن شام سے ختم ہوگئی، اور ان دونوں کے حزانے مباح ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہوئے، حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ''لا قيصر بعده'' کا مطلب یہ ہے کہ شام میں کوئی قیصر نہ ہوگا۔

☆ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ام حرام بنت ملحانؓ کے ہاں تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت ام حرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اور یہ ام حرامؓ، حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کی اہلیہ تھیں، چنانچہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلایا، پھر وہ بیٹھ گئیں تاکہ آپ

ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں دیکھیں، اسی اثناء میں حضور نبی کریم ﷺ سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے، ام حرامؓ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں کچھ لوگ میرے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے پیش کیے گئے اور وہ سمندر کے وسط میں سوار ہیں اور تختوں پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے بنا دے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی، اس کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک رکھا اور سو گئے پھر جب بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے۔ ام حرامؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ ﷺ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے اس حال میں پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں'' جیسا کہ آپ ﷺ نے پہلی بار فرمایا، وہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔ چنانچہ حضرت ام حرامؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے زمانہ میں ایک بحری سفر میں روانہ ہوئیں تو اچانک اس سمندر سے نکلتے وقت اپنے چوپایہ سے گریں اور وفات پا گئیں۔'' (هذا حديث متفق على صحته).

☆ حضرت خالدؒ بن معدان سے روایت ہے کہ عمیر بنؒ الاسود العبسی بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کے پاس آئے، وہ اس وقت حمص کے ساحل میں اپنے گھر میں مقیم تھے اور ان کے ہمراہ حضرت ام حرامؓ بھی تھیں، عمیر کہتے ہیں کہ حضرت ام حرامؓ نے ہم سے یہ حدیث مبارک بیان کی کہ انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری مہم میں حصہ لے گا اس نے (جنت کو) واجب کرلیا، ام حرامؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے ہو، آپؓ کہتی ہیں کہ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر پر چڑھائی کرے گا وہ

بخشے جائیں گے، پس میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نہیں۔" (هذا حديث صحيح)

☆ حضرت ابن المنکدر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رومی علاقہ میں لشکر کا راستہ بھول گئے یا ملک روم میں (دشمن کے ہاتھوں) قید کر لیے گئے، پھر وہ دشمن کے قبضہ سے نکل بھاگے اور اپنے لشکر کی تلاش میں لگ گئے، اسی دوران (کسی جنگل میں) ان کا سامنا ایک شیر سے ہو گیا تو انہوں نے (اس کو کنیت کے ذریعہ مخاطب کرتے ہوئے) کہا: اے ابوالحارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں، اور میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے (کہ میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں وغیرہ) شیر (یہ سنتے ہی) دم ہلاتا ہوا ان کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا اور پھر کسی طرف سے کوئی خوفناک آواز آتی تو شیر اس کی طرف لپکتا اور پھر واپس آ جاتا، اسی طرح وہ شیر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا حتیٰ کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں پہنچ گئے اور پھر شیر واپس چلا گیا۔

﴿بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وحی کی ابتداء﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ." (الحجر: ۹۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی جماعتوں کو توحید کے ذریعہ توڑ دیجیے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن حکیم کو بلند آواز سے پڑھیے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اظہار کریں۔ اور بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس کو مضبوط کریں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم میں فصل کریں۔ اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق و باطل کے درمیان فرق کریں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ﴾ (الروم: ۴۳)

یعنی "اس دن وہ متفرق ہوں گے۔"

نیز ارشاد باری ہے: "فَرِيقٌ فِي الجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ" (الشوری: ۷) نیز فرمایا: "وَمَا اَرۡسَلۡنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ." (سبأ: ۲۸) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام لوگوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا گیا، اور کافۃ کا لغوی معنی ہوتا ہے احاطہ کرنا، اور یہ لفظ کفة الشی سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کا کنارہ۔ نیز ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً﴾ (البقرة: ۲۰۷)

یعنی "اسلام میں اس جگہ تک پہنچو جس جگہ پر اس کے احکام منتہی ہوتے ہیں۔"

لہٰذا حد سے تجاوز کرنے سے باز رہو، اور "کَافَّة" سے مراد اسلام کی تمام حدود کا احاطہ کرنا ہے، اور بعض علماء اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ تم سب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا﴾ (المزمل: ۵)

"ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔"

(اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ عالی: "لَا تُحَرِّکۡ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ." (القیامة: ۱۶) کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزولِ قرآن کے وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ڈر سے کہ کہیں کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں کیونکہ "اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ" یعنی ہمارے ذمہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب میں اس کا جمع کر دینا "وَقُرۡآنَه" اور اس کا پڑھا دینا، اور "فَاِذَا قَرَاۡنَاهُ" یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا نزول ہو تو "فَاتَّبِعۡ قُرۡآنَه" یعنی اس کو سنیئے اور خاموش رہیئے۔ اور "اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَه" (القیامة: ۱۷-۱۹) یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اس کو بیان کرا دیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک نیچے کر کے خاموش رہتے، پھر جب وہ چلے جاتے تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اس کو پڑھ لیتے۔"

☆ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر بنا کر معبوث کیا گیا، پھر آپ ﷺ مکہ میں تیرہ سال اس طرح رہے کہ آپ ﷺ پر وحی آتی رہی، پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے دس سال ہجرت میں گزارے اور تریسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

☆ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مکہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے اور آواز (وحی کی) سنتے رہے، اور سات سال تک روشنی دیکھتے رہے، اور ان آٹھ سالوں میں کچھ نہ دیکھتے تھے جن (سالوں) میں آپ ﷺ پر وحی آتی تھی، اور مدینہ منورہ میں دس سال تک مقیم رہے۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول محبوب ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ جس چیز سے شروع ہوا وہ سوتے میں سچے خوابوں کا نظر آنا تھا، آپ ﷺ جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر اس طرح روشن ہو کر سامنے آجاتی جس طرح صبح کا اجالا (ظاہر اور ہویدا ہو جاتا ہے) اس کے بعد آپ ﷺ کو خلوت کا شائق بنا دیا گا، اور آپ ﷺ غارِ حراء میں گوشہ نشین رہنے لگے، اس غار میں آپ ﷺ عبادت کیا کرتے، (یعنی متعدد راتیں وہیں عبادت میں مشغول رہے) جب تک کہ گھر والوں کا اشتیاق پیدا نہ ہو جاتا، آپ ﷺ اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے، اور (جب وہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو) پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور اگلی راتوں کے بقدر کچھ چیزیں لے کر واپس غار میں آجاتے، یہاں تک کہ حق (کے ظہور کا وقت) آ گیا، آپ ﷺ اس وقت بھی غارِ حرا ہی میں تھے، آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا کہ پڑھو! آنحضرت ﷺ نے جواب دیا ''میں پڑھنا نہیں جانتا۔'' آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھ کو پکڑ لیا اور (زور سے) بھینچا، یہاں تک کہ مجھے کچھ تکلیف محسوس ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے کہا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا'' اس نے دوسری مرتبہ مجھے پکڑا اور بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے کہا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا'' اس فرشتہ نے پھر مجھے پکڑ کر تیسری

مرتبہ بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق: ۱۔۵)

یعنی ”پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا پروردگار سب سے بزرگ و برتر ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم کی تعلیم دی اور انسان کو ہر وہ چیز سکھائی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔“

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان آیات کو لے کر (گھر) واپس آئے اس وقت یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل کانپ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے پاس پہنچ کر کہا کہ مجھے کپڑے اُڑھا دو، مجھے کپڑے اُڑھا دو، حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کپڑا اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خوف و ہراس جاتا رہا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو پورا واقعہ بتایا۔ اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قطعاً خوف نہ کیجیے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ سوچ رہے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کبھی رسوا اور بے مراد نہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرابت داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (دوسروں کا) بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکینوں پر خرچ کرنے کے لیے کماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کے حقیقی حادثات و مصائب میں ان کی مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی کے پاس پہنچیں، اور یہ ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عربی کتاب لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے جو خدا تعالیٰ کو لکھوانا منظور ہوتا، اور وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور نابینا بھی ہو چکے تھے، حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اے ابن عم! اپنے بھتیجے

کی روداد سن لیجیے! ورقہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے! تم کیا دیکھتے اور محسوس کرتے ہو؟ حضور اقدس ﷺ نے ان کے سامنے وہ واقعہ بیان کیا جو آپ ﷺ نے دیکھا تھا، ورقہ نے آپ ﷺ سے کہا: یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (بھی) نازل کیا تھا، اے کاش! تمہاری نبوت کے اظہار کے وقت میں طاقتور جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہی رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، رسول کریم ﷺ نے (حیرت کے ساتھ) پوچھا: کیا واقعی وہ مجھے نکال دے گی!؟ ورقہ نے کہا: ہاں، کیونکہ جب بھی کوئی شخص تمہاری طرح نبوت وشریعت لے کر آیا، اس کے ساتھ دشمنی کی گئی، اگر میں ان ایام میں زندہ رہا تو پوری طاقت وقوت سے تمہاری مدد وحمایت کروں گا، لیکن اس کے بعد ورقہ جلد ہی دنیا سے چلے گئے، اور وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔" (هذا حديث متفق على صحته)

حدیث ہذا میں مذکور الفاظ کی وضاحت:

"فلق الصبح" اور "فرق الصبح" کا معنی ہے صبح کا اجالا اور صبح کی روشنی، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ."

یعنی "آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔"

اور "حراء" مکہ مکرمہ میں ایک پہاڑ ہے، اس کو حاء کے کسرہ اور راء کے فتح اور مد کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے، اور "یتحنث فیہ" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس غار میں عبادت کرتے تھے۔ "التحنث" عبادت گزاری کو کہتے ہیں۔ عبادت کو تحنث اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ اپنے نفس سے حِنث یعنی گناہ کو چھوڑا جاتا ہے، اسی طرح تحوّب، تحرّج اور تاثّم کے الفاظ ہیں، ان کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اپنے نفس سے حوب، حرج اور اثم (سب کا معنی گناہ) کو دور کیا جاتا ہے، اور "الغط" کہتے ہیں

خوب زور سے بھینچنا اور اسی سے "الغط فی الماء" کا لفظ ماخوذ ہے۔ ایک روایت میں غطّنی کے بجائے "ففتّنی" کا لفظ ہے اس کا معنی بھی یہی ہے۔ اور "یرجف فؤادہ" کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کا دل مبارک کانپ رہا تھا، "الرجفة" اصل میں حرکت کی شدت کو کہتے ہیں۔ اور "زمّلونی" کا معنی ہے مجھے کپڑا اڑھا دو، جیسا کہ کہتے ہیں کہ "تزمل الرجل بالثوب" یعنی آدمی نے کپڑا لپیٹا۔ اور "وتحمل الکلّ" کا معنی ہے کہ آپ ﷺ محتاجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ مہمانوں کی امداد کرتے ہیں۔ "الکلّ" اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو خود مستغنی نہ ہو، جیسا کہ فرمانِ خداوندی میں ہے:

﴿وَهُوَ كَلٌّ عَلىٰ مَوْلَاهُ﴾ (النحل: ۷۶)

یعنی "وہ اپنے ولی پر بوجھ ہے۔"

اور یہاں پر "وتکسب المعدوم" ہے، جبکہ دوسری روایات میں "وتکسب المعدم" ہے اور یہ زیادہ درست ہے۔ اس لیے کہ معدوم، افعال کے تحت داخل نہیں ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ محتاجوں کو عطا کرتے ہیں، "کسبت" اور "اکسبت" کا معنی ہوتا ہے، میں نے اس کو دیا، اور الف کے حذف کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ اور "النّاموس" کا معنی ہے راز دار، جس سے اپنے دل کی بات کہی جائے اور اس کو دوسروں سے الگ کر کے مخصوص کیا جائے۔ جیسے کہا جاتا ہے "نمس الرجل" یعنی اس نے راز چھپایا۔ لہٰذا "النّاموس" کہیں گے خیر کے راز دار کو، اور "الجاسوس" شر کے راز دار کو کہتے ہیں۔ نیز "یالیتنی فیها جذعاً" کا معنی یہ ہے کہ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ "الجذع" کا لفظ اصل میں جانوروں کی عمروں میں استعمال ہوتا ہے۔ حدیث علیؓ میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ "اسلمت وانا جذعمة" یعنی میں اسلام لانے کے وقت نوعمر تھا، "جذع" کے آخر میں میم کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔ اور حدیث ہٰذا میں "جذعاً" منصوب اس لیے ہے کہ اس کا معنی ہے: "لیتنی کنت جذعا" اور "فیها" کی ضمیر نبوت یا دعوت یا حکومت کی طرف راجع ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ورقہ نے کہا اے کاش! میں آپ ﷺ کی دعوت اور نبوت کے ظہور کے وقت جوان ہوتا تاکہ آپ ﷺ کی بھرپور مدد وحمایت کرتا۔ اور "مؤزرًا" کا معنی ہے بھرپور۔ "آزر فلانٌ فلاناً" کا معنی ہوتا ہے کہ اس نے فلاں شخص کے کام میں معاونت کی۔ یہ لفظ قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے۔ "فَآزَرَہ" (الفتح: ۲۹) یعنی اس کو قوت دی، "اَلْاَزْر" اصل میں قوت کو کہتے ہیں۔ نیز ارشاد ہے:

﴿اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ﴾ (طٰہٰ: ۳۱)

یعنی "ان کے ذریعہ میری کمر کو مضبوط کیجیے۔"

☆ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کچھ دنوں کے لیے انقطاع وحی کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ایک دن میں کھڑا تھا کہ میں نے جو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں میرے پاس آیا تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے میرے دل میں خوف ورعب پیدا ہو گیا۔ پھر میں (گھر) واپس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے کپڑا اڑھا دو، مجھے کپڑا اڑھا دو، چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ. والرجز فاهجر﴾ (المدثر: ۱۔۵)

"اے کپڑا اوڑھنے والے! اٹھو، اور مخلوق کو ڈراؤ، اپنے رب کو ہی بڑا جانو، اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو، اور پلیدی کو چھوڑو۔"

اس کے بعد وحی مسلسل آنے لگی۔" (هذا حديث متفق على صحته)

حدیث مبارک میں مذکور لفظ "جئثت" کا معنی یہ ہے کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ ایک روایت میں "جثثتُ" کا لفظ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "جُیث الرجل"، "جثّ" اور "جؤف" کا معنی بھی گھبرانے کے ہوتے ہیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حارث بن ہشامؓ

نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس وحی کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی مجھ پر سخت ترین وحی ہوتی ہے، چنانچہ فرشتہ، وحی کے جو الفاظ مجھ تک پہنچاتا ہے میں اس کو بڑی محنت اور توجہ سے سن کر یاد کرتا ہوں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ، انسان کی شکل اختیار کر کے مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے میں اس کو محفوظ اور یاد کر لیتا ہوں۔'' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب شدید سردی کے دن ہوتے تھے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور فرشتہ وحی پہنچا کر چلا جاتا تھا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور نظر آتی تھی۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحته)

حدیث ہذا میں ''یأتینی فی مثل صلصلة الجرس'' کے الفاظ آئے ہیں ''صلصلة'' لوہے کی آواز کو کہتے ہیں جب اس کو کوٹا جائے۔ ابوسلیمان الخطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی آواز ہے جس کو کان سنیں مگر اولِ وہلہ اس کو سمجھنے میں دشواری پیش آئے، اس لیے آپ ﷺ اس کو جلدی سے محفوظ اور یاد کر لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صورت میرے لیے بہت سخت ہوتی ہے، اور ''فیفصم عنّی'' کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر وحی کا وہ سلسلہ مجھ سے منقطع ہو جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں بھی یہ لفظ آیا ہے: ''لا انفصا لھا'' (البقرة: ۲۵۶) اور جو حضرات ''فیفصم عنّی'' نقل کرتے ہیں وہ زیادہ درست ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر وہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔ اور ''یتفصّد عرقاً'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ مبارک بہتا تھا۔

☆ حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ اپنا سر مبارک جھکا لیتے تھے اور صحابہ کرامؓ بھی اپنا سر جھکا لیتے تھے۔ پھر جب وحی کا نزول موقوف ہو جاتا تو آپ ﷺ اپنا سر مبارک اٹھا لیتے۔''

(ھذا حدیث صحیح)

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ''جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ اس کے سبب غمگین ہو جاتے تھے، اور چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔''

☆ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مسجد میں مروان بن الحکم کو بیٹھے ہوئے دیکھا چنانچہ میں آیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا، اس نے ہمیں خبر دی کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ان کو یہ خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان سے یہ آیت کریمہ لکھوائی:

﴿لَایَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (النساء: ۹۵)

یعنی ”برابر نہیں وہ مسلمان جو گھر میں بیٹھے رہیں اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔“

تو حضرت ابن ام مکتومؓ، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ ابھی وہ آیت مجھے لکھوا رہے تھے، اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اگر میں جہاد کرنے کی استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا اور ابن ام مکتومؓ نابینا آدمی تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر وحی نازل فرمائی، اس وقت آپ ﷺ کی ران، میری ران پر تھی، (جب وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو) مجھ پر وہ ثقیل ہونے لگی، یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے، پھر وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ“ یعنی سوائے عذر والوں کے۔“ (هذا حديث صحيح)

میں (مؤلفؒ) کہتا ہوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی ہے اس کی چند اقسام ہیں، جیسا کہ خود اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَایَشَآءُ﴾

(الشوری: ۵۱)

”یعنی اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا

دیتاہے۔"بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پہلی وحی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ ان انبیاءکوخواب میں دکھائے۔"

عبید بن عمیرؒ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ﴾ (الصافات: ۱۰۲)

یعنی "میں خواب میں دیکھتاہوں کہ میں تجھے ذبح کررہاہوں۔"

اور یہ بات دیگر بہت سے مفسرین نے کہی ہے۔اور "اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ" کی صورت، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ورائے حجاب اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے اور عرض کیا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

یعنی اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے"

اور "اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً"، کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر پر روح الامین علیہ السلام کو بھیج دیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ○ عَلٰی قَلْبِکَ﴾

(الشعراء: ۱۹۳۔۱۹۴)

"اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ ﷺ کے قلب پر۔"

ہمارے نبی ﷺ کو وحی کے یہ تمام طرق حاصل تھے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ (الفتح: ۲۸)

یعنی "بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو واقع کے مطابق ہے۔"

نیز حضرت عائشہؓ، فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ جس چیز سے شروع ہوا وہ سوتے میں سچے خوابوں کا نظر آنا تھا، آپ ﷺ جو خواب دیکھتے

اس کی تعبیر صبح کی روشنی کی طرح روشن ہو کر سامنے آ جاتی تھی۔(۲) اور ہمکلامی کی صورت کے متعلق فرمایا:

﴿فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ﴾ (النجم: ۱۰)

یعنی ''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔''

اور معراج کی رات، آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

(۳) اور حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجنے کے متعلق فرمایا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ o عَلٰی قَلْبِکَ﴾

''یعنی امانت دار فرشتہ اسے لے کر آیا، آپ ﷺ کے قلب پر۔''

نیز فرمایا

﴿مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

(البقرۃ:۹۷)

یعنی ''جو شخص جبریلؑ سے عداوت رکھے سو انہوں نے (یہ قرآن) آپ ﷺ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے۔''

اور حدیث مبارک میں ہے:''بے شک روح الامینؑ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں فوت ہوگا جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل طور پر حاصل نہ کر لے۔ لہٰذا تم رزق کی تلاش میں میانہ روی اختیار کرو۔''

اور ایک وحی وہ ہے جسے حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آتے اور ایک وہ ہے جو کوئی اور فرشتہ لے کر آتا، اور ایک وحی یہ بھی ہے کہ فرشتہ بحکم خداوندی آنحضرت ﷺ سے کلام کرتا، اور کبھی وحی کی صورت یہ ہوتی کہ آپ ﷺ کے دل میں کوئی بات القاء کر دی جاتی، اور ایک صورت وہ ہوتی جو اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان راز ہوتی جسے آنحضرت ﷺ دوسروں سے بیان نہ کرتے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا قرآن مجید کی شکل میں لکھنے کا امر ہوتا، اوایک وہ جس کا اس طرح لکھنے کا حکم نہ ہوتا، اور وہ

قرآن کا حصہ نہ ہوتا۔ امام زہریؒ سے یہ معنی منقول ہیں۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے جبریلؑ! تمہیں کثرت سے ہماری ملاقات سے کیا چیز روکتی ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَهٗ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَابَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا﴾ (مریم: ۶۴)

یعنی ''اور ہم (فرشتے) بدون آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے اسی کی (ملک) میں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔''

(هذا حديث صحيح)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشادِ مبارک ''وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا'' (مریم: ۶۴) کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروردگار سلسلۂ وحی کو مؤخر کر کے آپ کو نہیں بھولا ہے۔

﴿حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشرکین کو دعوتِ حق دینا﴾

☆ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن کوہِ صفا پر چڑھے اور فرمایا: ''لوگو! آپؓ فرماتے ہیں کہ (آواز سن کر) قریش کے لوگ جمع ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن (کا لشکر) صبح کو یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پس میں تم کو ایک سخت عذاب کے پیش آنے سے ڈراتا ہوں۔'' ابولہب کہنے لگا: تم ہلاکت میں پڑو، کیا تم نے ہم سب کو اس لیے بلایا تھا!؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ'' نازل فرمائی۔

(هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاَنْــــذِرْ

عَشِيۡـرَتَکَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ“ (الشعراء:۲۱۴) تو نبی کریم ﷺ (اس حکم کی تعمیل کے لیے فوراً) نکل پڑے اور کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارنا شروع کیا۔ اے لوگو! انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے؟ چنانچہ سب لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ (جنگجو) سواروں کا ایک دستہ اس پہاڑ کی اوٹ سے برآمد ہوا ہے تو بتاؤ کہ کیا تم میری اس بات کو سچ مانو گے؟ سب نے (یک زبان ہو کر) کہا ہاں، کیونکہ ہم نے آپ ﷺ پر جھوٹ کو نہیں آزمایا (یعنی ہمیشہ سچ پایا) ہے، تب آپ ﷺ نے فرمایا (تو سنو) میں تم لوگوں کو اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو (دنیا یا آخرت میں) تمہارے سامنے پیش (آنے والا) ہے۔“ (یہ سننا تھا کہ) ابولہب کہنے لگا: ہلاکت میں پڑو تم، کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر آپ ﷺ اٹھے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ“ (ہلاک ہو جائے ابولہب، اور ہلاکت میں پڑا..................) (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ“ تو رسول کریم ﷺ اٹھے اور فرمایا کہ ”اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! میں اللہ کے عذاب سے تمہیں بچانے کا اختیار نہیں رکھتا، تم میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔“ (هذا حديث صحيح اخرجه مسلم)

☆ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ“ تو آپ ﷺ اٹھے اور فرمایا کہ اے قبیلۂ قریش! یا اسی جیسا کلمہ فرمایا، تم اپنی جانوں کا سودا کر لو، میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے بنی عبدمناف! میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے صفیہ، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اور اے فاطمہ بنت محمد! تم مجھ سے میرا مال جو چاہو مانگ لو، مگر میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔“ (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) جبکہ رسول کریم ﷺ خانۂ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور وہاں قریش کا ایک گروہ مجلس جمائے بیٹھا تھا، اچانک ان میں سے ایک شخص نے کہا: کیا تم اس ریاکار شخص کی طرف نہیں دیکھتے ہو! تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اٹھ کر (فلاں قبیلہ میں) جائے جہاں فلاں خاندان میں ایک اونٹ ذبح کیا گیا ہے اور اس (اونٹ کی) غلاظت سے بھری ہوئی اوجھڑی، اس کا خون اور اس کا پوست اٹھا لائے اور رکھ لے، پھر جب محمد (ﷺ) سجدہ میں جائیں تو وہ ان سب چیزوں کو ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال دے، (یہ سن کر) ایک انتہائی بدبخت شخص (عتبہ ابن ابی معیط یا ابوجہل) اٹھا، (جب وہ، یہ سب چیزیں لے کر آ گیا) اور آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو اس نے ان چیزوں کو آنحضرت ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان رکھ دیا اور آنحضرت ﷺ سجدے میں پڑے رہ گئے، وہ بدبخت یہ دیکھ کر ہنسنے لگے، ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر گرنے لگے، جب کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ سے کہہ دیا اور وہ اس وقت بچی تھیں، تو وہ دوڑی ہوئی آئیں اور نبی کریم ﷺ اس وقت تک سجدہ میں پڑے تھے، حضرت فاطمہؓ نے ان تمام چیزوں کو آپ ﷺ کی پشت پر سے اٹھا کر پھینکا اور ان بدبختوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو بُرا بھلا کہنے لگیں، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو دعا کی: اے اللہ! تو ان قریش کو سخت پکڑ، اے اللہ! تو قریش کو سخت پکڑ، اے اللہ! قریش کو سخت پکڑ، پھر آپ ﷺ نے ان کا نام لے کر یوں بددعا فرمائی: اے اللہ! تو عمرو بن ہشام کو، عتبہ بن ربیعہ کو، شیبہ بن ربیعہ کو، ولید بن عتبہ کو، امیہ بن خلف کو، عقبہ بن ابی معیط کو اور عمارہ بن الولید کو سخت پکڑ'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (راوی) کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے جنگ بدر کے دن مذکورہ کافروں کو ہلاک شدہ زمین پر پڑے دیکھا، پھر ان کو میدان سے کھینچ کر ایک کنوئیں میں، جو مقام بدر کا کنواں تھا پھینک دیا گیا اور (اس وقت) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا ان لوگوں کو جو کنوئیں میں پھینکے گئے ہیں ملعون قرار دے دیا گیا ہے۔''

(هذا حديث متفق على صحته)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے اور جب اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے تو تین بار التجاء کرتے۔ شعبہؒ نے ابواسحاقؒ سے نقل کیا کہ جب عقبہ بن ابی معیط وہ غلاظت لے کر آیا تو اس نے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈال دی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان بدبختوں کی یہ حرکت ان چیزوں کی حرمت سے پہلے تھی یعنی یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خون، غلاظت اور مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پر بھی کوئی اثر نہیں پڑا، جیسا کہ شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جب کپڑے کو شراب لگ جاتی تھی تو اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے اور وہ نماز ہو جاتی تھی۔

☆ حضرت عروۃ بن الزبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ آپ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشرکین کے سب سے برے سلوک کے بارے میں بتایئے! انہوں نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مونڈھے کو پکڑا اور اپنے کپڑے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلہ زور سے گھونٹا، اتنے میں ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مونڈھے کو پکڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کپڑے کو ہٹایا اور کہنے لگے، کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر آیا ہے۔'' (ھذا حدیث صحیح)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گزرا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیف مجھے پیش آئی تھی وہ اُحد کے دن سے کہیں زیادہ مجھ پر سخت تھی اور یہ عقبہ کے دن کا واقعہ ہے جب میں نے تمہاری اس قوم سے ایسی سخت اذیتیں اٹھائیں، ہوا یہ تھا کہ میں نے اپنی ذات کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا مگر اس نے

میرے ارادہ پر کوئی توجہ نہیں دی، اور میں رنجیدہ وغمگین اپنے منہ کی سیدھ میں چل پڑا، (یہاں تک کہ) قرن الثعالب پہنچ کر میرے حواس قابو میں آئے ، میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جو مجھ پر سایہ فگن ہے، پھر اچانک میری نظر اس ابر کے ٹکڑے میں جبریلؑ پر پڑی، جبریلؑ نے مجھے آواز دی اور کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کی بات سن لی جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہی اور اس کا وہ جواب بھی سن لیا جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا ہے اور اب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہاڑوں کے فرشتہ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے بارے میں جو چاہیں حکم صادر فرمائیں، پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے پکارا اور سلام کر کے کہا: اے محمد! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کے لوگوں پر ان دونوں پہاڑوں، اخشبین، کو الٹ دوں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا فرما دے جو صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیں۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحته)

بعض روایات میں ہے جب تک مکہ کے اخشبین (دو پہاڑ) ختم نہ ہوں گے مکہ پر زوال نہیں آئے گا۔'' ان پہاڑوں کا نام ''اخشبین'' ان کے سخت اور مضبوط ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (اُحد کے دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیر لگا اور آپ کے ان چار دانتوں میں کا ایک دانت توڑ دیا گیا جن کو رباعیہ کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خون آلود ہو گیا، چنانچہ خون، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر بہنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خون اپنے چہرہ سے پونچھتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم بھلا کیونکر فلاح یاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا، جبکہ وہ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ'' (آل عمران: ۱۲۸)۔ (ھذا حدیث صحیح اخرجه مسلم)

☆ حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) فرماتے ہیں کہ گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ ایک نبی ﷺ کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ اس کو اس کی قوم نے مارا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جاتے ہیں اور وہ فرماتے جاتے ہیں کہ اے میرے پروردگار! میری قوم کو معاف فرما، وہ نہیں جانتی۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحته)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا سخت ترین غضب اس قوم پر ہے جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایسا سلوک کیا، (ایسے سلوک سے) آپ ﷺ کا اشارہ اپنے دانتوں کی طرف تھا (جن میں سے ایک دانت کو کفار نے جنگ اُحد میں شہید کر دیا تھا) اور اللہ کا سخت ترین غضب اس شخص پر ہے جس کو اللہ کا رسول ﷺ اللہ کے راستہ میں (جہاد میں) قتل کر دے۔'' (ھذا حدیث متفق علی صحته)

☆ حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے (کفارِ مکہ کی تکلیفوں کی) شکایت کی، اس وقت آنحضرت ﷺ خانۂ کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے، ہم نے عرض کی کہ آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے نصرت و مدد کیوں نہیں مانگتے؟ آنحضرت ﷺ (فوراً) بیٹھ گئے، آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ سرخ ہو رہا تھا پھر ہم سے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کا حال یہ تھا کہ آدمی کو پکڑا جاتا، پھر اس کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا پھر آرا لایا جاتا اور اس کے سر کے اوپر چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے مگر یہ چیز اس کو اپنے دین سے نہیں پھیرتی تھی اور لوہے کے کنگھے اس کے گوشت کے ورے یعنی اس کی ہڈیوں اور پٹھوں کے درمیان پھیرے جاتے مگر یہ چیز اس کو اپنے دین سے باز نہ کرتی تھی۔ (یاد رکھو کہ) یہ دین کا کام ضرور مکمل ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ تم میں سے ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک اس طرح چلے گا کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہوگا لیکن تم لوگ جلدی دکھاتے ہو۔'' (ھذا حدیث صحیح)

﴿معراج کا واقعہ﴾

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِالْاَقْصَا﴾ (الاسراء: ۱)

''وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا۔''

☆ حضرت مالک بن صعصعہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے شبِ معراج کا واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا، کبھی قتادہ حطیم کے بجائے حجر بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا، قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ اس نے یہاں سے یہاں تک چاک کیا، میں نے جارود سے، جو میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ حضرت انسؓ کی اس لفظ سے کیا مراد تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ حلق سے ناف تک، میں نے حضرت انسؓ سے سنا، آپؓ بیان فرمارہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے سینے کے اوپر سے ناف تک چاک کیا، پھر میرا دل نکالا، پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے لبریز تھا، اس سے میرا دل دھویا گیا، پھر پہلے کی طرح رکھ دیا گیا، اس کے بعد ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور سفید رنگ کا تھا، جارود نے حضرت انسؓ سے پوچھا ابوحمزہ! کیا وہ براق تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اس کا ہر قدم اس کے منتہائے نظر پر پڑتا تھا، (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا، اور جبریل علیہ السّلام مجھے لے کر چلے، آسمانِ دنیا پر پہنچے تو دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا، کون صاحب ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ جبریلؑ، پوچھا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے بتایا کہ محمد (ﷺ)، پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، اس پر کہا گیا کہ خوش آمدید، کیا ہی مبارک آنے والے ہیں وہ،

آپ آئے تو دروازہ کھول دیا، جب میں اندر گیا تو میں نے وہاں آدم علیہ السلام کو دیکھا، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا کہ خوش آمدید، صالح بیٹے اور صالح نبی ﷺ! پھر جبریل علیہ السلام مجھے اوپر لے گئے اور دوسرے آسمان پر آئے، وہاں بھی دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جبریلؑ، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ محمد (ﷺ) ہیں پھر پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں پھر کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید، ان کا آنا کیا ہی مبارک ہے، آپ ﷺ آئے اور دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام موجود تھے، دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے سلام کیا اور ان حضرات نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا، خوش آمدید، صالح بھائی اور صالح نبی ﷺ! پھر جبریل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ جواب دیا گیا کہ جبریلؑ، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (ﷺ) ہیں، پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں، پھر کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید، وہ کیا ہی اچھے آنے والے ہیں، دروازہ کھلا اور جب اندر گیا تو وہاں یوسف علیہ السلام موجود تھے، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ یوسف علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، اور انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ خوش آمدید صالح بھائی اور صالح نبی ﷺ! پھر جبریل علیہ السلام مجھے چوتھے آسمان کی طرف لے کر چڑھے، دروازہ کھلوایا گیا، پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جبریلؑ، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (ﷺ)، پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، پھر کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید، آنے والے کیا ہی اچھے ہیں، آپ آئے اور دروازہ کھلا تو جب میں اندر پہنچا تو وہاں ادریس علیہ السلام موجود تھے، جبریلؑ

علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجیے، چنانچہ میں نے ان کو سلام کیا، اورانہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ خوش آمدید، صالح بھائی اور صالح نبی ﷺ! پھر جبریل علیہ السلام مجھے پانچویں آسمان کی طرف لے کر چڑھے، دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جبریلؑ، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (ﷺ) ہیں، پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں، کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید، آنے والے کیا ہی اچھے ہیں، آپ آئے اور دروازہ کھلا تو میں اندر گیا تو وہاں ہارون علیہ السلام موجود تھے، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہارونؑ ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ خوش آمدید، صالح بھائی اور صالح نبی ﷺ! پھر جبریل علیہ السلام مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے کر چڑھے، اس طرح دروازہ کھلوایا گیا، پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ جواب دیا کہ جبریلؑ ہوں، پوچھا گیا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (ﷺ) ہیں، پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں، پھر آواز آئی کہ انہیں خوش آمدید، آنے والے کیا ہی اچھے ہیں، آپ آئے (دروازہ کھلا) اور جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجیے، چنانچہ میں نے انہیں سلام کیا پھر انہوں نے فرمایا کہ خوش آمدید، صالح بھائی اور صالح نبی ﷺ! جب میں آگے بڑھا تو وہ رونے لگے، کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ یہ لڑکا (آنحضرت ﷺ) میرے بعد نبی ﷺ بنا کر بھیجا گیا ہے لیکن جنت میں اس کی امت کے افراد میری امت سے زیادہ داخل ہوں گے، پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے کر چڑھے، اسی طرح دروازہ کھلوایا گیا، پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ جواب دیا کہ جبریلؑ، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ محمد (ﷺ)، پھر پوچھا گیا کہ کیا ان کو بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے کہا

کہ ہاں، پھر کہا کہ انہیں خوش آمدید، آنے والے کیا ہی اچھے ہیں، آپ آئے، پھر جب میں اندر گیا تو وہاں حضرت ابراہیم ﷺ موجود تھے، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ ہیں، آپ انہیں سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا کہ خوش آمدید، صالح بیٹے اور صالح نبی ﷺ! پھر سدرۃ المنتہیٰ کو میرے سامنے کر دیا گیا، میں نے دیکھا کہ اس کے پھل مقام حجر کے مٹکوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے اور اس کے پتے ہاتھیوں کے کان کی طرح تھے، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، وہاں میں نے چار نہریں دیکھیں، دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں۔ میں نے پوچھا: اے جبریلؑ! یہ کیا ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ جو دو باطنی نہریں ہیں وہ جنت سے تعلق رکھتی ہیں اور دو ظاہری نہریں، نیل اور فرات ہیں، پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا، وہاں میرے سامنے ایک برتن میں شراب، ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا، میں نے دودھ کا برتن لے لیا، تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت قائم ہے، پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں، میں واپس ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا کہ کس چیز کا آپ ﷺ کو حکم ہوا ہے؟ میں نے کہا کہ روزانہ پچاس نمازوں کا مجھے حکم دیا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لیکن آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ ہر روز پچاس نمازیں ادا کریں، خدا کی قسم! میں آپ سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں، اور بنی اسرائیل کا مجھے تلخ تجربہ ہے، اس لیے آپ اپنے رب کے حضور دوبارہ جائیے اور اپنی امت پر تخفیف کے لیے عرض کیجیے، چنانچہ میں واپس ہوا (اور تخفیف کے لیے عرض کی تو) دس نمازیں کم کر دی گئیں، پھر جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات فرمائی، میں دوبارہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوا تو پھر دس نمازوں کی کمی کر دی گئی، پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس ہوا تو انہوں نے پھر وہی بات فرمائی، میں پھر واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے (مزید) دس نمازیں کم کر دیں، پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا تو انہوں نے پھر وہی بات

فرمائی، میں دوبارہ بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوا تو مجھے روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا، پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس ہوا تو انہوں نے پھر پوچھا کہ آپ کو کتنی نمازوں کا حکم دیا گیا؟ میں نے کہا کہ مجھے روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہر روز پانچ نمازیں ادا نہیں کر سکے گی، میں آپ سے قبل لوگوں کو آزما چکا ہوں، اور مجھے بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ ہے، لہٰذا آپ اپنے رب کے حضور واپس جائیے اور اپنی امت پر تخفیف کے لیے عرض کیجیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب سے (بہت) سوال کر چکا ہوں اور اب مجھے شرم آتی ہے، اب میں اس پر راضی اور خوش ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جب میں وہاں سے گزرنے لگا تو ندا آئی ”میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔“ (هذا حديث متفق على صحته)

حدیث ہذا میں ”الحطیم“ کا لفظ آیا ہے، اس کو حطیم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی دیوار گرائی گئی تھی جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کے ساتھ اس کو برابر نہیں کیا گیا۔

امام خطابی رحمہ اللہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب لینا ٹھیک نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حسد کے طور پر تھا، اس لیے کہ انبیاء اور اولیاء کے یہ شایانِ شان نہیں ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو محض اپنی امت پر شفقت کے طور پر روئے کیونکہ ان کی امت کے افراد کی تعداد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افراد سے کم تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ”میرے بعد ایک لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ یہ بطورِ حقارت نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسان کی عظمت کے طور پر فرمایا کہ دیکھو! اللہ کا اس پر کتنا بڑا احسان ہوا کہ ان کو عبادت میں طویل عمر کے بغیر ہی خلعت پیغمبری سے نوازا۔

☆ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے بُراق لایا گیا جو ایک سفید رنگ کا دراز قد چوپایہ تھا، گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا، جہاں تک اس کی نگاہ جاتی تھی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا، میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس میں آیا، اور میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس کے ساتھ

انبیاءؑ باندھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں مسجد سے باہر آیا اور جبریل علیہ السلام میرے سامنے ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا لائے میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا تو جبریلؑ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف چڑھایا'' اس کے بعد حضرت انسؓ نے وہی مضمون بیان کیا جو سابق میں گزرا، فرمایا کہ میں نے وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے مجھ کو مرحبا کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسرے آسمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا جن کو آدھا حسن عطا کیا گیا تھا، انہوں نے بھی مجھ کو مرحبا کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی، (راوی حضرت ثابت بنانیؒ) نے اس روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا ذکر نہیں کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں آسمان کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہاں میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا جو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے (طواف کے لیے) داخل ہوتے ہیں جن کو دوبارہ داخل ہونا نصیب نہیں ہوتا، اس کے بعد مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، میں نے دیکھا کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر اور اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے، پھر جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیز نے ڈھنک دیا تو اس کی حالت بدل گئی، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی خوبی اور وصف کو بیان نہیں کر سکتا، پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی چاہی میری طرف بھیجی، پھر مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر میں اس بلند مقام سے نیچے اترا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا: تمہارے پروردگار نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: رات دن میں پچاس نمازیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو، کیونکہ تمہاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، میں بنی اسرائیل کو آزما کر اور ان کا امتحان لے کر پہلے دیکھ چکا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بارگاہِ خداوندی میں پھر حاضر ہوا اور کہا:

پروردگار! میری امت کے حق میں آسانی فرما دیجیے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے میری امت کے حق میں (آسانی فرما کر) پانچ نمازیں کم کر دیں، پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ میری درخواست پر پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی، تم پھر اپنے پروردگار کے پاس جاؤ اور (مزید) تخفیف کی درخواست کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اسی طرح اپنے پروردگار اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ پروردگار نے فرمایا: اے محمد! رات دن میں فرض تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ان میں سے ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے، اس طرح یہ پانچ نمازیں ثواب میں پچاس نمازوں کے برابر ہیں (اور ہمارا اصول یہ ہے کہ) جس شخص نے نیکی کا قصد کیا اور اس کو پورا نہ کر سکا تو اس کے حساب میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس قصد کے بعد اس نے اس نیکی کو کر لیا تو اس کے حساب میں وہ نیکی دس گنا لکھی جاتی ہے، اور جس شخص نے بُرے کام کا ارادہ کیا اور پھر اس بُرے کام کو نہ کر سکا تو اس کے حساب میں وہ برائی نہیں لکھی جائے گی اور اگر اس نے اس برے کام کو کر لیا تو اس کے حساب میں وہی ایک برائی لکھی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر میں بارگاہِ خداوندی سے نیچے واپس آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صورتِ حال بتائی تو انہوں نے پھر وہی بات کہی کہ اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں بار بار اپنے پروردگار کے پاس جا چکا ہوں، اب مجھے اس کے پاس جاتے شرم آتی ہے۔ (ھذا حدیث صحیح)

☆ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں اپنے گھر میں تھا کہ (اچانک) مکان کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے، انہوں نے میرا سینہ چاک کر کے آبِ زمزم سے دھویا پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، اس کو میرے سینہ میں الٹ دیا گیا اور پھر میرے سینہ کو ملا کر برابر کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت جبریلؑ نے میرا ہاتھ

پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے، جب میں آسمانِ دنیا پر پہنچا تو جبریلؑ نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھولو، داروغہ نے پوچھا: کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جبریلؑ، اس نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ جبریلؑ نے کہا: ہاں، میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، داروغہ نے پوچھا، کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا: ہاں! چنانچہ دروازہ کھولا گیا، پھر جب ہم آسمانِ دنیا کے اوپر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ان کے دائیں اور کچھ لوگ ان کے بائیں بیٹھے ہوئے ہیں، جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں، انہوں نے کہا: پیغمبر صالح اور نیک بخت بیٹے کو میں خوش آمدید کہتا ہوں، میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے کہا: یہ حضرت آدمؑ ہیں اور یہ لوگ جو ان کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، ان میں سے جو لوگ ان کے دائیں بیٹھے ہیں وہ جنتی ہیں اور جو لوگ ان کے بائیں بیٹھے ہیں وہ دوزخی ہیں، اسی لیے جب یہ (حضرت آدمؑ) اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، اس کے بعد حضرت جبریلؑ مجھ کو لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے اور اس کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھولو تو اس کے داروغہ نے بھی وہی سوال کیا جو پہلے آسمان کے داروغہ نے کیا تھا۔'' (راوی) حضرت انسؓ کہتے ہیں: غرضیکہ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام آسمانوں پر پہنچے اور وہاں حضرت آدمؑ، حضرت ادریس، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کا ذکر فرمایا، لیکن ان کے منازل و مقامات کی کیفیت و احوال کو بیان نہیں کیا، صرف حضرت آدمؑ سے پہلے آسمان پر اور حضرت ابراہیمؑ سے چھٹے آسمان پر ملنے کا ذکر فرمایا۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن حزمؒ نے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوحبہؓ انصاریؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پھر مجھ کو اور اوپر لے جایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ہموار اور بلند مقام پر پہنچا جہاں قلموں سے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں۔'' ابن حزمؒ اور حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اللہ

تعالیٰ کی طرف سے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، چنانچہ میں واپس ہوا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت پر کیا چیز فرض کی ہے؟ میں نے ان کو بتایا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے کہا: اپنے پروردگار کے پاس جاؤ، کیونکہ تمہاری امت اتنی نمازیں ادا نہیں کر سکے گی، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے واپس کیا تو ان میں سے کچھ نمازیں کم کر دی گئیں، میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا کچھ حصہ معاف کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنے پروردگار کے پاس پھر جاؤ، کیونکہ تمہاری امت اتنی نمازیں ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی، میں پھر واپس آیا، چنانچہ ان میں سے کچھ اور نمازیں کم کر دی گئیں، اس کے بعد میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر اپنے پروردگار کے واپس جاؤ، کیونکہ تمہاری امت اتنی نمازیں ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی، چنانچہ میں پھر گیا، پس (پروردگار نے مزید تخفیف کر دی) پروردگار نے فرمایا: فرض تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن (اجر وثواب میں) پچاس نمازوں کے برابر ہیں، میرا قول تبدیل نہیں ہوتا، جب پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا تو انہوں نے پھر مجھ کو بارگاہِ خداوندی میں واپس جانے کا کہا، لیکن میں نے کہا کہ اب مجھ کو اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے، اس کے بعد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ) مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا جس پر اس طرح کے رنگ چھائے ہوئے تھے جن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی؟ اس کے بعد مجھے جنت میں پہنچایا گیا، وہاں میں نے موتیوں کے گنبد دیکھے اور یہ بھی دیکھا کہ جنت کی مٹی مشک تھی۔" (ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

حدیث ہذا میں لفظ "الجنابذ" آیا ہے جو کہ جمع ہے جنبذۃ کی، جس کا معنی ہے گنبد، اور "الاسودۃ" سواد کی جمع ہے بمعنی انسان اور شخص۔ اور "النسم" جمع ہے۔ نسمۃ کی، اس کا معنی ہے جان اور ہر ایسا چوپایہ جس میں روح ہو، یہاں پر مراد ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔

☆ حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ مبارک "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ" (الاسراء: ٦٠) کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد آنکھ کی رؤیت ہے جو رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات دکھائی گئی جب آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا، اور "وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ" (الاسراء: ٦٠) سے مراد زقوم کا درخت ہے۔ (صحیح)

☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم علیہ التحیۃ والسلام کو معراج کرائی گئی تو آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک بھی پہنچایا گیا جو کہ چھٹے آسمان پر ہے، نیز جو بھی چیز زمین سے اوپر لے جائی جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر منتہی ہو جاتی ہے اور پھر وہاں سے اوپر اٹھائی جاتی ہے، اسی طرح جو چیز ملاء اعلیٰ سے زمین پر اتاری جاتی ہے وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ پر منتہی ہو جاتی ہے، اور وہاں سے پھر اٹھائی جاتی ہے۔"

☆ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی:

"إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ"

یعنی "اس وقت کہ ڈھانک لیا سدرہ کو جس چیز نے ڈھانک لیا۔"

اور کہا کہ وہ چیز (جس نے سدرہ کو ڈھانکا ہے) سونے کے پتنگے ہیں، نیز انہوں نے کہا کہ شب معراج میں رسول پاک ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں (۱) پانچ نمازوں کی فرضیت عطا ہوئی (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (۳) اور اس شخص کے گناہِ کبیرہ کی معافی کا پروانہ عطا ہوا جو کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے۔" (هذا حديث صحيح)

حدیث ہذا میں لفظ "المقحمات" سے مراد وہ کبیرہ گناہ ہیں جو ان کے مرتکب کو دوزخ میں ڈال دیں، "القحم" دشوار امور کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ ص (۵۹) میں یہ لفظ آیا ہے: "هٰذَا فَوْجٌ مُقْتَحِمٌ مَعَكُمْ"، یعنی تمہارے ساتھ دوزخ میں داخل ہونے والی ہے۔

☆ حضرت شیبانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زرؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ" (النجم: ۹) کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں

حضرت عبداللہؓ نے خبر دی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریلؑ کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے، (ھذا حدیث متفق علی صحتہ) نیز انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں، حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت و شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔

☆ حضرت عبداللہؓ ''لَقَدْ رَأیٰ مِنْ اٰیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْریٰ'' (النجم: ۱۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سبز رنگ کی بساط دیکھی جس نے آسمان افق کو بند کر دیا تھا۔ (صحیح)

بعض علماء کہتے ہیں کہ ''الرفرف'' بساط کو کہتے ہیں، اور بعض کے نزدیک یہاں پر سبز رنگ کے کپڑے مراد ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو الرفرف (بساط یا سبز رنگ کے) جوڑے میں دیکھا جس نے آسمان وزمین کے درمیان کی فضا کو بھر دیا تھا۔ اور حضرت ابو ہریرۃؓ ''وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْریٰ'' (النجم) کے بارے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں رسول کریم ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر وہ نمازیں کم ہوتے ہوتے پانچ کر دی گئیں، پھر ندا آئی: اے محمد ﷺ! میرا قول تبدیل نہیں ہوتا، لیکن ان پانچ نمازوں (کا اجر وثواب) پچاس نمازوں کے برابر ہے۔'' (صحیح)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔'' (ھذا حدیث صحیح اخرجہ مسلم)

نیز فرمایا کہ معراج کی رات میرا گزر سرخ رنگ کے ٹیلے پر ہوا اور وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے،

☆ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پاس معراج کی رات

مقام ایلیاء میں دو پیالے لائے گئے، ایک شراب کا پیالہ اور دوسرا دودھ کا پیالہ، آپ ﷺ نے ان پیالوں کی طرف دیکھا اور دودھ کو لے لیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ ﷺ کو فطرت کی ہدایت بخشی، اگر آپ ﷺ شراب کو لے لیتے تو آپ ﷺ کی امت بھٹک جاتی۔" (هذا حديث متفق على صحته)

☆ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: "جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حجر (حطیم) میں کھڑا تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے نمایاں کر دیا، چنانچہ میں بیت المقدس کی طرف دیکھ دیکھ کر اس کی نشانیاں اور علامات ان لوگوں کو بتاتا رہا۔"

﴿ہجرت کا واقعہ﴾

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" (الاسراء: ۸۰) حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ اس آیت کریمہ میں "ادخلنی مدخل صدق" سے مدینہ منورہ اور "اخرجنی مخرج صدق" سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُراٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" (القصص: ۸۵) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں "معادٍ" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والدین اپنے زمانۂ عقل و بلوغ کی ابتداء ہی سے دیندار تھے، اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ ہمارے ہاں صبح وشام نہ آتے ہوں، پھر جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر کے نکلے، جب مقام برک الغماد پر پہنچے تو آپؓ کی ملاقات ابن الدُغنہ سے ہوئی، وہ قبیلہ قارۃ کا سردار تھا، اس نے پوچھا: ابوبکرؓ! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ زمین کی سیاحت کروں، اور اپنے رب کی عبادت کروں،

ابن الدغنہ نے کہا: لیکن ابوبکرؓ! تم جیسے انسان کو اپنے وطن سے نہ خود نکلنا چاہیے اور نہ اسے نکالا جانا چاہیئے، تم محتاجوں کی مدد کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو اور حق پر قائم رہنے کی وجہ سے کسی پر آنے والی مصیبتوں میں اس کی مدد کرتے ہو، میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، واپس چلو، اور اپنے شہر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرو، چنانچہ آپؓ واپس آ گئے اور ابن الدغنہ بھی آپؓ کے ساتھ واپس آیا، اس کے بعد ابن الدغنہ قریش کے تمام سرداروں کے ہاں شام کے وقت گیا اور سب سے اس نے کہا کہ ابوبکرؓ جیسے شخص کو نہ خود نکلنا چاہیے اور نہ اُسے نکالا جانا چاہیے، کیا تم ایسے شخص کو نکال دو گے جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور حق کی وجہ سے کسی پر آنے والی مصیبتوں میں اس کی مدد کرتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ سے انکار نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر ہی کیا کریں، وہیں نماز پڑھیں اور جو جی چاہے وہیں پڑھیں، اپنی ان عبادات سے ہمیں تکلیف نہ پہنچائیں، اس کا اظہار و اعلان نہ کریں، کیونکہ ہمیں اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، یہ باتیں ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی آ کر کہہ دیں، کچھ دنوں تک تو آپؓ اسی بات پر قائم رہے اور اپنے گھر کے اندر ہی اپنے رب کی عبادت کرتے رہے، نہ نماز برسرِ عام پڑھتے تھے، اور نہ اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ تلاوتِ قرآن کرتے تھے، لیکن پھر انہوں نے کچھ سوچا اور اپنے گھر کے سامنے نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ بنائی جہاں آپؓ نے نماز پڑھنی شروع کی، اور تلاوتِ قرآن پاک بھی وہیں کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا مجمع ہونے لگا، وہ سب حیرت اور پسندیدگی کے ساتھ انہیں دیکھتے رہا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے نرم دل تھے، جب قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کو روک نہ سکتے تھے، اس صورتِ حال سے مشرکین قریش کے سردار گھبرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا، جب ابن الدغنہ گیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کے لیے تمہاری پناہ اس شرط کے ساتھ تسلیم کی تھی کہ وہ اپنے

رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کیا کریں گے لیکن انہوں نے شرط کی خلاف ورزی کی ہے اور اپنے گھر کے سامنے نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ بنا کر برسرعام نماز پڑھنے اور تلاوتِ قرآن کرنے لگے ہیں، ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے اس فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے تم انہیں روکو، اگر انہیں یہ شرط منظور ہو کہ وہ اپنے رب کی عبادت صرف اپنے گھر کے اندر ہی کیا کریں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہ اعلان واظہار پر مصر ہیں تو ان سے کہو کہ تمہاری پناہ واپس دے دیں، کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری دی ہوئی پناہ میں ہم دخل اندازی کریں۔ لیکن ہم ابوبکرؓ کے اس اعلان و اظہار کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ جس شرط کے ساتھ میں نے آپؓ سے عہد کیا تھا وہ آپؓ کو معلوم ہے، اب یا تو آپؓ اس شرط پر قائم رہیے یا پھر میرے عہد کو واپس کر دیجئے، کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ عرب کے کانوں تک یہ بات پہنچے کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی تھی لیکن اس میں دخل اندازی کی گئی، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں، اور اپنے رب عزوجل کی پناہ پر راضی وخوش ہوں، حضورِ اکرم ﷺ ان دنوں مکہ میں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تمہاری ہجرت کی جگہ مجھے (خواب میں) دکھائی گئی ہے وہاں کھجور کے باغات ہیں اور دو پتھریلے میدانوں کے درمیان میں واقع ہے۔ چنانچہ جنہیں ہجرت کرنا تھی، انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور جو حضرات سرزمین حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے وہ بھی مدینہ واپس چلے آئے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدینہ ہجرت کی تیاری شروع کر دی، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کچھ دنوں کے لیے توقف کرو، مجھے امید ہے کہ ہجرت کی اجازت مجھے بھی مل جائے گی، ابوبکرؓ نے عرض کیا، کیا واقعی آپ ﷺ کو اس کی امید ہے؟ میرے باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں! آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کی رفاقتِ سفر کے شرف کے خیال سے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، اور دو اونٹنیوں کو، جوان کے

پاس تھیں، کیکر کے پتے کھلا کر تیار کرنے لگے، چار مہینے تک۔ ابن شہابؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سے عروہؒ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ایک دن ہم حضرت ابوبکرؓ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے، بھری دوپہر تھی کہ کسی نے ابوبکر صدیقؓ سے کہا: رسول اللہ ﷺ سر مبارک پر رومال ڈالے تشریف لا رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کا معمول ہمارے ہاں اس وقت آنے کا نہیں تھا، حضرت ابوبکرؓ بولے، آنحضرت ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ایسے وقت میں تو آپ ﷺ کسی خاص وجہ سے ہی تشریف لائے ہوں گے، انہوں نے بیان کیا کہ پھر حضورِ اکرم ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو اجازت دی تو آپ ﷺ اندر داخل ہوئے، پھر آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اس وقت یہاں سے تھوڑی دیر کے لیے سب کو اٹھا دو، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہاں اس وقت تو سب گھر کے ہی افراد ہیں، میرے باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، میرے باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، یا رسول اللہ! کیا مجھے رفاقت کا شرف حاصل ہو سکے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، ان دونوں میں سے ایک اونٹنی آپ ﷺ لے لیجیے، حضور ﷺ نے فرمایا: لیکن قیمت سے! حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہم نے جلدی جلدی ان کے لیے تیاریاں شروع کر دیں، اور کچھ زادِ سفر ایک تھیلے میں رکھ دیا، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے پٹکے کے ٹکڑے کر کے تھیلے کا منہ اس سے باندھ دیا، اور اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین پڑ گیا، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ پھر رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے جبل ثور کے غار میں پڑاؤ کیا، اور تین راتیں وہیں گزاریں، حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ رات وہیں جا کر گزارا کرتے تھے، یہ نوجوان تھے لیکن بہت سمجھدار تھے اور ذہن رسا پایا تھا، سحر کے وقت وہاں سے نکل آتے تھے اور صبح اتنی سویرے مکہ پہنچ جاتے جیسے وہیں رات گزاری ہو، پھر جو کچھ بھی یہاں سنتے اور جس کے ذریعہ ان حضرات کے خلاف

کاروائی کے لیے کوئی تدبیر کی جاتی تو اسے محفوظ رکھتے اور جب اندھیرا چھا جاتا تو تمام اطلاعات یہاں آکر پہنچاتے۔

حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ آپ حضرات کے لیے قریب ہی دودھ دینے والی بکری چرایا کرتے تھے اور جب کچھ رات گزر جاتی تو اسے غار میں لاتے تھے، آپ حضرات اسی پر رات گزارتے، اس دودھ کو گرم لوہے کے ذریعہ گرم کرلیا جاتا تھا، صبح منہ اندھیرے ہی عامر بن فہیرہؓ غار سے نکل آتے تھے، ان تین راتوں میں روزانہ کا ان کا یہی دستور تھا، حضرت ابوبکرؓ نے بنی الدیل جو بنی عبد بن عدی کی شاخ تھی، کے ایک شخص کو راستہ بتانے کے لیے اجرت پر اپنے ساتھ رکھا، یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا، اور آلِ عاص بن وائل السہمی کا حلیف بھی تھا۔ اور کفارِ قریش کے دین پر قائم تھا، ان حضرت نے اس پر اعتماد کیا اور اپنے دو اونٹ اس کے حوالہ کر دیئے، قرار یہ پایا تھا کہ تین راتیں گزرنے کے بعد یہ شخص غارِ ثور میں ان حضرات سے ملاقات کرے، چنانچہ تیسری رات کی صبح کو وہ دونوں اونٹ لے کر آ گیا، اب عامر بن فہیرہؓ اور یہ رہبر، ان حضرات کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، ساحل کے راستہ سے ہوتے ہوئے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن مالک المدلجی نے خبر دی، آپ سراقہ بن مالک بن جعشم کے بھتیجے ہیں، کہ ان کے والد نے انہیں خبر دی اور انہوں نے سراقہ بن مالک بن جعشم کو یہ کہتے سنا کہ ہمارے پاس کفارِ قریش کے قاصد آئے اور یہ پیش کش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو اگر کوئی شخص قتل کر دے یا قید کر لائے تو ہر ایک کے بدلہ میں اُسے سو اونٹ دیئے جائیں گے، میں اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا ایک آدمی سامنے آیا اور ہمارے قریب کھڑا ہو گیا، ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے کہا: سراقہ! ساحل پر میں ابھی چند سائے دیکھ کر آ رہا ہوں، میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہی ہیں، سراقہ نے کہا: میں سمجھ گیا کہ اس کا خیال صحیح ہے، لیکن میں نے اس سے کہا کہ وہ یہ لوگ نہیں ہیں تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے، وہ ہمارے سامنے سے اسی طرف گئے ہیں، اس کے بعد میں مجلس میں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہا اور پھر اٹھتے ہی گھر گیا اور اپنی باندی سے

کہا کہ میرے گھوڑے کو لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جائے، اور وہیں میرا انتظار کرے، اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور گھر کی پشت کی طرف سے باہر نکل آیا، میں نیزے کی نوک سے زمین پر لکیر کھینچتا چلا گیا اور اوپر کے حصہ کو چھپائے ہوئے تھا، میں گھوڑے کے پاس آکر اس پر سوار ہوا اور صبا رفتاری کے ساتھ اسے لے چلا، جتنی سرعت کے ساتھ میرے لیے ممکن تھا، بالآخر میں نے ان حضرات کو پالیا، اسی وقت میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور مجھے زمین پر گرا دیا، لیکن میں کھڑا ہوا اور اپنا دایاں ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا، اس میں سے تیر نکال کر میں نے فال نکالی کی آیا میں انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں! فال وہ نکلی جسے میں پسند نہیں کرتا تھا، لیکن میں دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور تیروں کی فال کی پرواہ نہیں کی، پھر میرا گھوڑا مجھے انتہائی تیزی کے ساتھ دوڑائے لیے جا رہا تھا، آخر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت سنی، آنحضرت ﷺ میری طرف کوئی توجہ نہیں کر رہے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ بار بار مڑ کر دیکھتے تھے تو میرے گھوڑے کے آگے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے، جب وہ ٹخنوں تک دھنس گیا تو میں اس کے اوپر سے گر پڑا اور اسے اٹھنے کے لیے ڈانٹا، میں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنے پاؤں زمین سے نہ نکال سکا، بڑی مشکل سے جب اس نے پوری طرح کھڑے ہونے کی کوشش کی تو اس کے آگے کے پاؤں سے منتشر سا غبار اُٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا، پھر میں نے تیروں سے فال نکالی، لیکن اس مرتبہ بھی وہی فال آئی جسے میں پسند نہیں کرتا تھا۔ اس وقت میں نے ان حضرات کو امان دینے کے لیے پکارا میری آواز پر وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا، ان تک برے ارادے کے ساتھ پہنچنے سے جس طرح مجھے روک دیا گیا تھا اسی سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت غالب آکر رہے گی، اس لیے میں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ کے لیے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے، پھر میں نے آپ ﷺ کو قریش کے ارادوں کی اطلاع دی، میں نے ان حضرات کی خدمت میں کچھ توشہ اور سامان پیش کیا لیکن حضور ﷺ نے اسے قبول نہیں

کیا، اور مجھ سے کسی اور چیز کا مطالبہ بھی نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق راز داری سے کام لینا، لیکن میں نے عرض کی کہ آپ ﷺ میرے لیے ایک امن کی تحریر لکھ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک رقعہ پر تحریر امن لکھ دی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ انہیں عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کی ملاقات حضرت زبیرؓ سے ہوئی جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں سفید پوشاک پیش کی، ادھر مدینہ میں بھی مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کی مکہ سے ہجرت کی اطلاع ہوگئی تھی، اور یہ حضرات روزانہ صبح کے وقت مقام حرہ تک آتے تھے اور آنحضور ﷺ کا انتظار کرتے رہتے تھے لیکن دوپہر کی گرمی کی وجہ سے انہیں واپس ہو جانا پڑتا تھا ایک دن جب بہت طویل انتظار کے بعد سب لوگ واپس آ گئے اور اپنے گھر پہنچ گئے تو ایک یہودی نے اپنے ایک قلعہ سے غور سے جو دیکھا تو رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نظر آئے، اس وقت آپ ﷺ سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے، اور بہت دور تھے، یہودی بے اختیار چلا اٹھا کہ اے معشر عرب! تمہارے بزرگ آ گئے، جن کا تمہیں انتظار تھا، مسلمان ہتھیار لے کر دوڑ پڑے، اور حضورِ اکرم ﷺ کا مقام حرہ پر پہنچنے سے پہلے استقبال کیا، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ داہنی طرف کا راستہ اختیار کیا، اور بنی عمرو بن عوف میں قیام کیا، یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور پیر کا دن۔ حضرت ابوبکرؓ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھے رہے، انصار کے جن افراد نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ ہی کو سلام کر رہے تھے لیکن جب حضور ﷺ پر دھوپ پڑنے لگی تو صدیق اکبرؓ نے اپنی چادر سے آنحضور ﷺ پر سایہ کیا، اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا، حضور اکرم ﷺ نے بنی عمرو بن عوف میں تقریباً دس دن تک قیام کیا، اور وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم ہے وہ اسی زمانہ میں تعمیر ہوئی۔ اور حضور ﷺ نے اس میں نماز پڑھی، پھر آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر سوار

ہوئے اور صحابہؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بالآخر آنحضور ﷺ کی سواری مدینہ منورہ میں اس مقام پر آ کر بیٹھ گئی جہاں اب مسجدِ نبوی ﷺ ہے، اس مقام پر چند مسلمان ان دنوں نماز ادا کیا کرتے تھے، یہ جگہ سہل اور سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، اور کھجور کا یہاں کھلیان لگتا تھا، یہ دونوں بچے سعد بن زرارہؓ کی پرورش میں تھے، جب اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ یہی قیام کی جگہ ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور ان سے اس جگہ کا معاملہ کرنا چاہا تاکہ وہاں مسجد تعمیر کی جا سکے، دونوں بچوں نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہ جگہ آپ ﷺ کو ہبہ کریں گے لیکن آنحضرت ﷺ نے ہبہ کے طور پر قبول کرنے سے انکار کیا، اور زمین قیمت ادا کر کے لی اور وہیں مسجد تعمیر کی، اس کی تعمیر میں خود رسول اکرم ﷺ بھی صحابہ کرامؓ کے ساتھ اینٹوں کے ڈھونے میں شریک تھے، اینٹ ڈھوتے وقت آنحضور ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے: **''ھذا الحمالُ لاحمالُ خیبر، ھذا ابرُّ ربّنا واطھر''** یعنی یہ بوجھ خیبر کے بوجھ نہیں ہیں، بلکہ اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی رہنے والا ہے اور بہت زیادہ طہارت اور پاکی والا ہے۔''

نیز آنحضور ﷺ فرماتے تھے: **''اللّٰھم ان الاجر اجر الآخرۃ، فارحم الانصار و المھاجرۃ''** یعنی اے اللہ! اجر تو بس آخرت ہی کا اجر ہے پس انصار اور مہاجرین پر اپنی رحمت نازل فرمایئے۔'' اسی طرح آپ ﷺ نے ایک مسلمان شاعر کے شعر کو استعمال کیا جن کا نام مجھے معلوم نہیں۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ احادیث سے ہمیں یہ بات اب تک معلوم نہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اس شعر کے سوا کسی بھی شاعر کے پورے شعر کو کسی موقع پر استعمال کیا ہو۔ (ھذا حدیث صحیح، الصحیح للبخاری، باب ھجرۃ النبیؐ و اصحابہ الی المدینۃ المنورۃ)

(مؤلفؒ) کہتے ہیں کہ ''تکسب المعدم'' کا معنی یہ ہے کہ آپ محتاجوں کو مال دیتے ہیں، اور ''فلم تکذّب قریش بجوارہ'' کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے ان کی پناہ کو رد نہیں کیا، کسی چیز کی تکذیب سے مراد اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور ''فیتقذف

علیہ نساء المشرکین وابناؤھم" کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے پاس مجمع لگاتے، جیسے کہا جاتا ہے: "الناس یتقاذفون علی فلان" یعنی لوگ ایک دوسرے پر گرتے ہیں۔ ایک روایت میں "فیتقصف" کا لفظ ہے، اس سے مراد ایسا ازدحام ہے جس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر گرتے ہوں۔ حدیث مبارک میں بھی ہے: "انا والنبیّون فراط لقاصفین" تو "قاصفون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ازدحام کریں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم جنت کی طرف پہلے جائیں گے اور وہ ہمارے نشانِ قدم پر ازدحام کیے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ وہ جنت کی جلدی میں ہجوم لگائیں گے۔"بعض کے نزدیک اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں اور دوسرے انبیاءؑ ایسی قوم کے لیے شفاعت کرنے میں مقدم ہوں گے جو قوم بہت زیادہ ہوگی اور بھیڑ لگائے ہوئے دھکم پیل کرے گی۔ "القصف" کا اصل معنی توڑنے کے ہیں۔ اور حدیث ہذا میں مذکور لفظ "کرھنا ان نُخفرک" کا معنی یہ ہے کہ ہمیں یہ بات ناپسند ہے کہ ہم آپ کی پناہ کو توڑیں، "خفرت الرجل" کا معنی ہوتا ہے کہ میں نے اس کے عہد کی پابندی کی اور "اخفرته" کا مطلب ہوتا ہے کہ میں نے اس کے عہد کو توڑا۔ اور "نِطاق" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت اپنی کمر پر باندھتی ہے، حضرت اسماءؓ کا نام "ذات النطاقین" اس لیے پڑا کہ ان کے پاس دو پٹکے تھے، انہوں نے ایک کے ٹکڑے کر کے اس سے حضور ﷺ کے توشہ دان کے منہ کو باندھا تھا۔ اور "ھو شابٌّ ثقفٌ" کا معنی ہے کہ وہ جوان بھی اور بہت ذہین وفطین بھی تھے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: "غلام ثقیف" اور "امرأة ثقاف" اور "لقن" اس سمجھدار شخص کو کہتے ہیں جو سنی ہوئی بات کو خوب سمجھ لیتا ہو۔ اور "اللّقِن" فہم کو کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ "لقنت الحدیث القنه لقنا" اور "فیدلج بسحر" کا لفظ بھی یہاں مذکور ہے۔ "ادلج" کا معنی ہوتا ہے کہ وہ شخص ساری رات چلا اور "ادّلج" تشدید کے ساتھ کا معنی ہوتا ہے کہ وہ سحر کے وقت روانہ ہوا۔ اور "رَضیف" گرم کیے ہوئے دودھ کو کہتے ہیں، اور "الرضفة" آگ سے تپائے ہوئے پتھر کو کہتے ہیں۔ اور "الخریت" ماہر رہبر کو کہتے ہیں جو راستوں کا خوب ماہر ہو۔ اور "غمس

حلفًا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ آلِ عاص بن وائل کا حلیف تھا، اس لیے کہ جب وہ حلف یا معاہدہ کرتے تو وہ خوشبو کا ایک بڑا پیالہ سامنے رکھتے اور اس کے اندر اپنے ہاتھ اس حلف کی تاکید کے لیے ڈالتے تھے۔ اور حدیث ہذا میں مذکور لفظ ''رأیت اسودة'' بھی ہے، ''اسودة'' جمع ہے سواد کی، انسان کے سایہ کو کہتے ہیں، اور ''فدفعتها تقرّب'' میں ''تقریب'' سے مراد گھوڑے کا دلکی چال چلنا ہے یا سرپٹ دوڑنا ہے۔ اور ''الازلام'' سیدھے ہموار کیے ہوئے تیروں کو کہتے ہیں۔ اور ''ازلام بقر الوحش'' جنگلی گائے کی ٹانگوں کو کہتے ہیں، اس کی ٹانگوں کو ان تیروں کے ساتھ لطافت میں تشبیہ دی گئی ہے۔ ''ازلام'' کا واحد زَلَمٌ ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب تیروں سے اپنی قسمت معلوم کیا کرتے تھے، جن پر امر اور نہی لکھا ہوتا تھا، ان تیروں کو ایک برتن میں ڈال دیتے تھے، پھر جب کسی کو کوئی حاجت درپیش ہوتی یا سفر کا ارادہ ہوتا تو وہ اس برتن سے ایک تیر نکال لیتا تھا، اگر اس پر حکم لکھا ہوتا تو وہ اسے کر گزرتا اور اگر ممانعت لکھی ہوتی تو وہ اس سے باز رہتا، اور ''استقسام'' کا معنی ہے تیروں کے ذریعہ اچھی بری اور نفع ونقصان کی قسمت شناسی کرنا۔ اور ''ساخت یدا فرسی'' کا معنی یہ ہے کہ گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، اس حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ''واذا لاثر یدیها غبار ساطع......الخ'' یعنی گھوڑے کے آگے کے پاؤں سے منتشر سا غبار اٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''فخرجت قوائمها ولها عُثانٌ'' اور ''العثان'' بھی اصل میں دھوئیں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع عواثن آتی ہے، اور ''دخان'' کی جمع خلافِ قیاس، دواخن آتی ہے۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ ہم کلام میں کوئی چیز ان دونوں کے مشابہ نہیں جانتے، ''طعامٌ عِثنٌ و معثونٌ'' کا معنی ہوتا ہے دھوئیں کی وجہ سے خراب شدہ کھانا۔ اور ''یرزآنی'' کا معنی ہے کہ ان دونوں نے مجھ سے مطالبہ نہیں کیا، ''رزأته ماله'' کا معنی ہوتا ہے کہ میں نے اس سے اس کا مال لیا، اور ''اوفی رجل'' کا معنی ہے کہ اس نے قلعہ سے جھانکا، ''الاطم'' قلعہ کو کہتے ہیں اور ''وهذا جدکم الذی تنتظرون'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارے وہی بزرگ

ہیں جن کا تمہیں انتظار تھا، اور "فثار المسلمون" کا معنی ہے کہ مسلمان دوڑ پڑے، اور "المربد" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوریں توڑنے کے بعد برتنوں میں ڈالنے سے پہلے رکھی جائیں بعد میں وہاں سے گھروں میں لے جائی جائیں۔ یعنی کھلیان۔ اور "المِربد" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ اور بکریاں بند کی جائیں یعنی اونٹوں کا باڑا۔ عربی میں "الربد" قید کرنے اور روکنے کو کہتے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے حدیث بیان کی، فرمایا کہ جب میں نے مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں کے اوپر دیکھا جبکہ ہم غار میں تھے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لے تو ہم اسے نظر آ جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! تیرا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود خدا تعالیٰ ہو''؟

(هذا حديث متفق على صحته)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے بالائی علاقہ کے ایک قبیلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیام کیا جنہیں بنی عمرو بن عوف کہا جاتا تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں چودہ دن قیام کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلہ بنی النجار کے پاس ایک آدمی بھیجا تو بنی النجار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر ہوئے (راوی کہتے ہیں کہ) اس وقت بھی وہ منظر میری نظروں کے سامنے ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی سواری پر سوار ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے سوار ہیں اور بنی النجار کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے قریب اتر گئے، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز پڑھ لیتے تھے، بکریوں کے ریوڑ (باڑے) میں بھی آپ نماز پڑھ لیتے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے لیے قبیلہ بنی النجار کے افراد کو بلا بھیجا، (وہ حاضر ہوئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اے بنو النجار! اپنے اس باغ کی مجھ سے قیمت طے کر لو۔'' انہوں نے عرض کی، نہیں،

خدا کی قسم! ہم اس کی قیمت اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں لیں گے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں وہ چیزیں تھیں جو میں تم سے بیان کروں گا، اس میں مشرکین کی قبریں تھیں اور اس میں ویرانہ تھا اور اس میں چند کھجور کے درخت تھے، نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو برابر کر دینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ کھودی گئیں، پھر ویرانہ کو ختم کیا گیا اور کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا گیا، پھر کھجور کے تنے مسجد کے قبلہ کی طرف ایک قطار میں کھڑے کر دیئے گئے، اور اس میں دروازہ بنانے کے لیے پتھر رکھ دیئے، صحابہؓ جب پتھر منتقل کر رہے تھے تو رجز پڑھتے جاتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے: "اللّٰھم لا خیر الا خیر الآخرة، فاغفر للانصار والمهاجرة" یعنی اے اللہ! آخرت ہی کی خیر، خیر ہے، پس آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔ (هذا حديث متفق على صحته)

حدیث ہذا میں یہ جملہ آیا ہے: "ارسل الى ملأمن بنی النجار"، "ملأ" لوگوں میں معزز اور سردار حضرات کو کہتے ہیں جن کی بات مانی جاتی ہو۔ اور "ثامنونی بحائطكم" کا معنی یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اس باغ کو میرے ہاتھ قیمت کے ساتھ بیچ دو، اور "خرب" جمع ہے خربة کی، جیسے کلم جمع ہے کلمة کی، بعض حضرات اس کو خاء کے کسرہ اور راء کے فتح کے ساتھ نقل کرتے ہیں جو خراب کی جمع ہوگی۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ میرے والد کے پاس ان کے گھر میں آئے اور ان سے ایک کجاوہ خریدا، عازب نے کہا: اپنے بیٹے کو بھیج دو وہ میرے ساتھ اس کجاوہ کو اٹھا کر پہنچا دے، (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھ اسے اٹھا کر پہنچایا تھا، اور میرے والد اس کی قیمت وصول کرنے کے لیے نکلے تو میرے والد نے ان سے پوچھا: اے ابوبکرؓ! آپؓ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے متعلق بیان کریں، آپ حضرات نے کیسے ہجرت کی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں (ہماری چونکہ نگرانی ہو رہی تھی، اس لیے) ہم پوری رات اور اگلے دن چلتے رہے، جب دوپہر کا وقت ہوا اور راستہ خالی تھا کوئی اس پر نہیں گزرتا تھا، تو ہمیں ایک چٹان دکھائی دی، (ہم

اس کے قریب پہنچے تو) اس کا تھوڑا سا سایہ ابھی موجود تھا، جس پر دھوپ نہیں پڑتی تھی، ہم نے اس کے قریب پڑاؤ کیا، اور میں نے حضورِ اکرم ﷺ کے لیے اپنے ہاتھ سے ایک جگہ ہموار کی جس پر آپ ﷺ آرام فرمائیں اور میں نے اس جگہ پر ایک پوستین بچھا دی، اور میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آرام فرمایئے، اور میں آپ ﷺ کے قرب و جوار کی دیکھ بھال کروں گا، آنحضرت ﷺ اس پر سو گئے اور میں قرب و جوار کی دیکھ بھال کے لیے نکلا، اچانک ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا، اس کا مقصد بھی اس چٹان سے وہی تھا جو ہمارا مقصد تھا، (یعنی سایہ حاصل کرنا) میں نے اس سے پوچھا: اے لڑکے! تمہارا تعلق کس سے ہے؟ اس نے بتایا کہ اہل مکہ یا مدینہ کے فلاں آدمی سے۔ میں نے پوچھا: کیا تمہاری بکریوں سے کچھ دودھ حاصل ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ کیا تم دودھ نکال دو گے؟ اس نے کہا کہ ہاں، پھر وہ ایک بکری لایا تو میں نے اس سے کہا کہ پہلے اس کا تھن، مٹی، بال اور گندگی سے جھاڑ لو، (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براءؓ کو دیکھا کہ وہ ایک ہاتھ کو دوسرے پر مار کر جھاڑ رہے تھے، پھر اس نے ایک چھوٹے پیالہ میں کچھ دودھ دوہا، میرے پاس پانی کا ایک برتن تھا، یہ پانی میں نے حضور ﷺ کے لیے ساتھ لے رکھا تھا، جس سے آپ ﷺ سیراب ہوتے، نوش کرتے اور وضو فرماتے، پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، میں نے آپ ﷺ کو بیدار کرنا اچھا نہ سمجھا، تو جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو میں حاضر ہوا اور میں نے وہ پانی دودھ (کے برتن) پر بہایا اور جب دودھ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا تو میں نے عرض کی، نوش فرمایئے: یارسول اللہ! حضور ﷺ نے اسے نوش کیا، جس سے میں بہت خوش ہوا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟'' میں نے کہا: کیوں نہیں، (راوی) کہتے ہیں کہ پھر ہم نے زوالِ آفتاب کے بعد کوچ شروع کیا، اور سراقہ بن مالک ہمارے پیچھے ہولیا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم پکڑے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''غم نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔'' پھر نبی کریم ﷺ نے اس کو بددعا دی، جس سے اس کا گھوڑا اپنے

پیٹ تک دھنس گیا، (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ سخت زمین میں (دھنس گیا) (راوی) زہیر کو شک ہوا۔ پھر وہ کہنے لگا: میں نے تم دونوں کو دیکھا کہ تم نے میرے خلاف بددعا کی، اب میرے لیے دعا کردو، میں تمہاری تلاش چھوڑ دوں گا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی تو وہ نجات پا گیا، پھر وہ جس کسی سے بھی ملتا تو اس سے یہی کہتا تھا کہ میں تمہاری طرف سے کافی ہوں، وہ جس سے بھی ملاقات کرتا اس کو واپس کر دیتا۔ (راوی) کہتے ہیں کہ اس نے ہمارے ساتھ وفاداری کی۔

(هذا حديث متفق على صحته)

حدیث میں مذکور الفاظ: "انفض ماحولک" کا معنی یہ ہے کہ میں آپ کے اردگرد چکر لگاتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی کرتا ہوں کہ آیا کوئی ہمیں تلاش تو نہیں کر رہا ہے؟

اور "القعب" چھوٹے پیالہ کو کہتے ہیں۔ اور "کثبة من لبنٍ" تھوڑے سے دودھ کو کہتے ہیں۔ اور "کُثبةٌ" تھوڑی مقدار میں جمع شدہ کھانے وغیرہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع "کُثُبٌ" آئی ہے۔ اور "یرتوی فیھا" ارتوی من الماء کا معنی ہوتا ہے، پانی پی کر سیر ہونا۔ اور "ارتطمت به فرسه" کا معنی ہے کہ وہ گھوڑا الجھ گیا، اور پھنس گیا، جیسا کہ کہتے ہیں کہ "ارتطم الحمار فی الوحل" یعنی گدھا کیچڑ میں پھنس گیا، اور "الجلد" سخت اور کھردری زمین کو کہتے ہیں۔

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہمارے ہاں مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ آئے، یہ دونوں ہم کو قرآن پڑھاتے تھے، اس کے بعد بلالؓ، سعدؓ اور عمارؓ آئے، پھر عمر بن الخطابؓ، بیس صحابہؓ کو ساتھ لے کر آئے، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، مدینہ کے لوگوں کو جتنی خوشی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے ہوئی، میں نے کبھی انہیں کسی بات پر اس قدر خوش نہیں دیکھا، حتیٰ کہ میں نے بچوں اور بچیوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ یہ (دیکھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے تو اس سے پہلے میں مفصل کی چند سورتوں کے ساتھ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی بھی سیکھ چکا تھا۔" (هذا حديث صحيح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حبشہ کے لوگ حضور ﷺ کی آمد کی خوشی میں اپنے نیزوں سے کھیلے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو رسولِ کریم ﷺ کے مدینہ آنے کی اطلاع ہوئی، اور وہ اس وقت ایک زمین میں کھجوریں جمع کر رہے تھے، تو آپؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ میں آپ ﷺ سے تین چیزوں کے متعلق پوچھوں گا جنہیں نبی ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی پہلی نشانی کیا ہوگی؟ (۲) اہل جنت کی ضیافت سب سے پہلے کس کھانے سے کی جائے گی؟ اوراس کی کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی اپنے باپ پر جاتا ہےاور کبھی ماں پر؟ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا جواب ابھی جبریل علیہ السلام نے آ کر مجھے بتایا ہے، حضرت عبداللہؓ نے کہا: یہ فرشتوں میں یہودیوں کے دشمن ہیں، آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ'' حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ (۱) قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہوگی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور (۲) جو کھانا، اہل جنت، سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہوگا (جگر سے علیحدہ لٹکتا ہے) اور بچہ باپ کی صورت پراس وقت جاتا ہے جب عورت کے پانی پر مرد کا پانی غالب آ جائے اور جب مرد کے پانی پر عورت کا پانی غالب آ جاتا تو بچہ ماں پر جاتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، پھر آپؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہودی بڑے افترا پرداز لوگ ہیں، اگر آپ ﷺ کے پوچھنے سے پہلے ان کو میرے اسلام لانے کا علم ہوگیا تو وہ مجھ پر جھوٹے بہتان باندھیں گے (اس لیے آپ ﷺ پہلے ہی میرے متعلق ان سے دریافت فرمالیں) چنانچہ چند یہودی آئے تو آنحضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: ''تمہاری قوم میں عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے؟ وہ کہنے لگے کہ وہ ہم میں سب سے بہتر اورسب سے بہتر کے بیٹے، اور ہمارے سردار اور

ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام لائیں؟ وہ کہنے لگے کہ اس سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی پناہ میں رکھے، اُس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلامؓ باہر آئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد، اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اب وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہم میں سب سے بدترین فرد ہے اور سب سے بدترین کا بیٹا ہے، انہوں نے فوراً تنقیص شروع کر دی، حضرت عبداللہؓ نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھے اسی کا ڈر تھا۔'' (هذا حديث صحيح)